اُردو کی چوتھی کتاب

مدارس ابتدائی

حلقہ بندی

ممالک مغربی و شمالی

کی

چوتھی جماعت کے لئے

کلکٹر صاحب ای ویٹ صاحب بہادر ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم اضلاع شمال و مغرب و اودھ کے

حکم سے

اور شمس العلما خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ فیلو الہ آباد یونیورسٹی نے

تالیف کی

۱۸۸۹ء

مطبع مرتضوی دہلی میں باہتمام حافظ محمد عزیز الدین کے طبع ہوئی

دیباچہ

مدارس ابتدائی سرکاری حلقہ بندی ممالک مغربی و شمالی کے لئے یہ سلسلہ کتابوں کا
تالیف کیا گیا ہے۔ اس میں پانچ کتابیں ہیں۔ پہلی۔ دوسری۔ تیسری۔ چوتھی۔ پانچویں۔ پہلی
کتاب تو صرف قاعدہ اُردو ہے۔ باقی کتابوں کی تالیف میں ان باتوں پر بڑا خیال رکھا
گیا ہے کہ مضامین ایسے ہوں کہ جن میں طالب علموں کا دل ایسا لگے کہ مدرسہ اُن کو دل لگی
کی جگہ معلوم ہو۔ فقط اُن کو پڑھنا لکھنا ہی نہیں آئے بلکہ اُن کے دل میں علم سے محبت پیدا
ہو جائے۔ جن چیزوں کو وہ جانتے ہیں اور روز دیکھتے ہیں اُن کا بیان کرنا اچھی طرح
اور حیوانات۔ نباتات۔ معدنیات دنیا کے کاروبار۔ زمین آسمان کے باب میں اُن کی
معلومات ایسی ہو جائے کہ نئی چیزوں کے باب میں غور کرنے اور دنیا کے معاملات میں
کی عادت ہو جائے۔ اس مطلب کے پورا کرنے کے لئے میں نے انگریزی ریڈروں کے
سلسلوں سے مضامین انتخاب کر کے اردو میں ترجمہ کئے اور ان ترجموں میں سے بعض
مشہور اور نامور مصنفوں کے پاس بھیجکر اُن سے لکھوایا۔ اور جو کتابیں اُردو زبان کی
معروف اور مطبوع و مرغوب اہل علم کی ہیں اُن کو مطالعہ کر کے انتخاب مضامین کیا
پھر ان سب مضامین کو اس ترتیب سے مرتب کیا کہ مدارس ابتدائی کی ہر جماعت
اُن کو اپنی استعداد کے موافق آسانی سے پڑھ سکے اور اپنی لیاقت درجہ بدرجہ
بڑھا سکے۔ جو مضمون کسی شخص سے لکھوایا ہے۔ یا کسی کتاب سے انتخاب کیا ہے
اُس کا نام حاشیہ پر لکھ دیا ہے۔

اُردو کی چوتھی کتاب

محکمہ زراعت

بعض عاقل ہوشیار تجربہ کار یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان میں جاہل کسان کو بھی
کاچھی۔مالی۔زراعت کے کاموں سے ایسی ہی واقف اور ماہر ہیں جیسے مکھی اپنے چھتے
اور بیا اپنے گھونسلا بنانے سے۔اُن کو کھیتی کرنے کے قاعدے سکھانے ایسے
ہی بیکار ہیں جیسے مکھی کو چھتا اور بیّے کو گھونسلا بنانا۔یہ کسان ہل جوتنے بیچارے
مزدور ایسے اپنے کام سے واقف ہیں کہ انھوں نے اپنے سارے ملک کو ایک باغ بنا رکھا
اور کسی غیر ملک سے استفادہ نہیں کیا ہے یہ سارا اپنی ہی محنت و تجربہ کا ثمرہ ہے۔یہ سخت بے حیائی
ہے کہ لوگ اُنھیں زراعت کے قواعد سکھیں اور پھر اُستاد بن بیٹھیں اور اترا اترا کر اُنھیں سکھائیں اُن کو
فن زراعت میں وہ کمال ہے کہ اگر ایک کسان کے لڑکے کے سامنے ایک ٹوکری مٹی سے
بھری یا ایک مٹی کا ڈھیلا اس کے سامنے رکھیں تو وہ دیکھ کر بتلا دے گا کہ یہ اس قسم کی مٹی ہے

اس میں کونسی جنس اچھی پیدا ہو گی کونسی بُری۔ سارے کسان یہ خوب جانتے ہیں کہ موسموں کے موافق کھیتوں کو تیار کریں اور اُن میں بیج بوئیں وہ بیجوں کی خوبیوں اور بُرائیوں کو جانتے ہیں کھیتوں کے نرانے اور پانی دینے کے وقتوں کو جانتے ہیں۔ زمین کی گہری ہلکی جوتائی کے فائدے خوب سمجھتے ہیں وہ اپنے کھیتوں کے سارے رُوگوں سے واقف ہیں کھڑے کھیت کو دیکھ کر وہ بتادیں گے کہ اس میں پیداوار اتنا ہو گا۔ ایک کھیت میں ملی جلی جنسیں وہی بوتے ہیں جن کو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس طرح جتنی پیدا ہوں گی اتنی الگ الگ بونے سے نہیں پیدا ہوں گی۔ کھاد کی قسمیں اور اُن کے فائدے سمجھتے ہیں۔ ہڈیوں کو کھاد کے لئے دبا کر رکھ چھوڑتے ہیں لاؤ سے پانی کھینچنا اور پانی میں گوبر ملایا جاتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے ہمارے کھیت کا پیداوار کتنا زیادہ ہو گا بعض جنس کے کھیتوں میں وہ کنوئے کا پانی اس وقت دینا فائدہ مند جانتے ہیں کہ مینہ کی جھرن پڑ رہی ہو غرض کہ وہ اپنے کھیتوں کی پیداوار بڑھانے اور اندازہ کرنے میں بہت کم خطا کرتے ہیں۔ لیکن بعض دانشمند اور واقف کار اس کے برخلاف رائے رکھتے ہیں اس امر کو وہ تسلیم کرتے ہیں کہ کاشتکار اپنی کاشت کے عملی کاموں سے خوب واقف ہیں۔ لیکن وہ علم زراعت سے ناواقف ہیں۔ کاشتکاری کے عمدہ طریقے جاننے میں اور اُن کے عمدہ ہونے کے سبب اور علت جاننے میں بڑا فرق ہے۔ کاشتکاروں کو عمدہ طریقے پشتہا پشت کے تجربوں سے معلوم ہو گئے ہیں اور وہ اسی کو کافی سمجھتے ہیں وجوہات پر التفات نہیں کرتے ہیں ان سب کو واہیات کہتے ہیں

لیکن عمدہ کاشتکاری کے واسطے اُن کی وجوہات کا جاننا بہت ضروری ہی جن وجوہات
اور سببوں پر کاشتکاری کی کارروائیاں موقوف ہیں جب وہ سمجھ میں آجاتی ہیں تو
زراعت میں بہت آسانی سے ترقی ہوتی ہی۔ یہاں وجوہات کے نہ جاننے کے سبب سے
زراعت ایک مانہ دراز سے ایک ہی صورت پر چلی آتی ہی۔ اس میں کچھ ترقی نہیں ہوتی
برخلاف اس کے یورپ میں اس کی ترقی روز بروز ہوتی جاتی ہی باوجودیکہ وہاں
کے کھیتوں میں وہ خداداد خوبیاں نہیں ہیں جو یہاں موجود ہیں وہاں کے عالم
اور حکیم ہر بات کی علم اور علت دریافت کرتے ہیں غرض زراعت کی علم وعمل کی تکمیل
سے زراعت سے خاطر خواہ فائدہ حاصل ہوتا ہی۔ کہ ایک ہی قطعہ اراضی میں محنت کم پڑتی
ہے صرف کفایت ہوتا ہی جنس عمدہ سے عمدہ پیدا ہوتی ہے اس سے خوب
دولت بڑھتی ہی۔ یہاں کی زراعت جاہلوں کے ہاتھ میں ہے جو اپنے باپ دادا
کے طریقے پر زراعت کرتے چلے آتے ہیں۔ جو باتیں کہ پہلے سے نہیں چلی آتیں
اور اُن کے اختیار کرنے میں کچھ صرف ہوتا ہو اور اس میں نفع یقینی نہ ہو تو اُس سے
کوسوں بھاگتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ آدمی کچھ کھو کے سیکھتا ہی۔ یہ وحشت اُن کی آخر کو
بُرے دن دکھاوے گی۔ اِدھر یہ شکایت ہی کہ سال بسال میں کا پیداوار گھٹتا ہے
اُدھر یہ آفت ہی کہ آبادی بڑھتی ہی۔ اِس لئے ضرور ایک دن ایسا آئے گا کہ اس ملک کا پیداوار
اِس ملک کی ضرورت سے کم پیدا ہوگا۔ قحط اپنی آنکھیں دکھائے گا۔ اس لیے گورنمنٹ نے
ایک محکمۂ زراعت مقرر کیا ہی جس کا صدر مقام کانپور ہی۔ اس کا بڑا مقصد یہ ہی کہ کسان کی

مدِ نظر رکھے۔ زراعت کی ترقی کرنے کے سیدھے سادے طریقے بتلائے۔ اور اُن کی وجوہات سمجھائی۔ کان پور اور کئی مقاموں میں علم زراعت کے موافق زراعت اِس نے شروع کی ہے بڑی ہوشیاری اور لیاقت اور محنت سے وہ تجربہ کرتا ہے قسم قسم کی پانسوں کی قوت اور تاثیر کا اندازہ کرتا ہے سینچائی اور ہلکی اور گہری جوتائی کے فائدے نقصان بتلاتا ہے۔ غیر ملکوں کے بیج لا لاکر بوتا ہے۔ یعنی ایک جگہ کے عمدہ بیج دوسری جگہ لگاتا ہے اور تجربہ کرکے بتلاتا ہے کہ اِس سے کیا فائدے حاصل ہوئے۔ کلیں اور آلات زراعت سینچنے ماندنے۔ اُسانے۔ چارہ کاٹنے۔ دلنے۔ پیسنے کے اِس نے ہزاروں روپئے خرچ کرکے جمع کئے ہیں اُن کو نمائش گاہوں میں دکھاتا ہے۔ پھر اُن کی مرمت اور اصلاح کے لئے ایک کارخانہ جاری کیا ہے۔ وہ اِن کلوں سے بتلاتا ہے کہ اگر وہ پرانے بھدے آلات کی جگہ کام آئیں تو کیا کیا فائدے حاصل ہونگے کھیتی کے لئے جو یہ تین باتیں ضروری ہیں کہ بیج عمدہ ہو ۔ پودوں کی غذا اور خوراک ایسی ہو کہ وہ اُن کو ہضم ہو۔ اور اُس سے وہ پروان چڑھیں۔ اُن کی حفاظت ایسی ہو کہ کوئی روگ اِن میں پیدا ہو اور کوئی بلا سر پر نہ آئے۔ اِن پر وہ دل و جان سے خوب توجہ کرتا ہے تم کو بھی چاہیئے کہ اِس سررشتہ کے سارے کاموں اور تجربوں کو غور سے دیکھتے رہو اور اُسے دیکھ کر اپنے آپ بھی تجربے کرو۔ تم ضرور مفید المزارعین مصنفہ مولوی محمد حسین صاحب اسسٹنٹ ڈائرکٹر محکمہ زراعت پڑھا کرو اِس سے تم کو بہت فائدہ ہوگا۔

پھاگن اور ہولی

پھاگن کے مہینے میں جو لطف زندگی ہے وہ سال کے کسی مہینے میں نہیں۔ اُس میں نیا سال آتا ہے۔ پرانا سال جاتا ہے۔ جاڑا گرمی دونو آپس میں گلے ملتے ہیں۔ ایک رخصت ہوتا ہے دوسرا اُس کی جگہ لیتا ہے۔ ایک طرف اناج کے پکے کھیت کٹے پڑے ہیں یا سوکھے کھڑے ہیں دوسری طرف درختوں میں نئی نئی کونپلیں ہرے ہرے پتے نکل رہے ہیں۔ فصل تیار ہے کسان اُسے اپنی محنت کا پھل سمجھتا ہے۔ دیکھ دیکھ کر مارے خوشی کے پھولا نہیں سماتا کچھ یہ موسم ہی ایسا ہوتا ہے کہ خواہ نخواہ دل شگفتہ ہوتا ہے۔ اِس لیے ہندوؤں میں بڑی خوشی کا تیوہار اِس مہینے میں ہوتا ہے۔

یہ تیوہار بھی اپنی دھوم دھام کی دُھوم مچاتا ہے۔ جدھر دیکھو ایک جلسا جما ہے جس میں سارا خوشی کا اسباب ہے۔ کوئی دف لے کر ناچتا کودتا ہے۔ چلا چلا کر ہولیاں گاتا ہے۔ کبیر کہہ کہہ کر ہنستا ہے۔ پچکاریاں رنگوں سے بھر بھر کر ایک ایک پر چھوڑتا ہے۔ رنگ میں سر سے پاؤں تک شور بور کرتا ہے۔ یہ سب غریب غربا میں ہوتا ہے۔ راجاؤں کے ہاں رنگ سے حوض بھرے جاتے ہیں دل لگی سے آدمی دھکیلے جاتے ہیں وہاں سے زعفرانی رنگ میں رنگے نکلتے ہیں تو لوگ ہنستے ہیں۔ امیر اپنے عالیشان مکانوں کو سجاتے ہیں۔ کئی کئی روز تک اُن میں ناچ رنگ کی محفلیں جمتی ہیں۔ اُن میں ایک طرف غزل اور ٹھمریوں کی تانیں اُڑتی ہیں۔ مردنگ اور سارنگ بجتی ہے۔ سازوں کے ساتھ الاپ لگتی ہے۔ دوسری طرف بھانڈ وہ نقلیں کرتے ہیں کہ ہنسی کے مارے زمین پر لوگ لوٹے جاتے ہیں۔ دس بارہ روز تک جا بجا یہی راگ رنگ کی محفلیں رہتی ہیں اور طرح طرح کے سوانگ بن کر نکلتے ہیں۔

جب اس مہینہ کی پورنماشی ہوتی ہے۔ تو پنڈت کوئی وقت مقرر کرتے ہیں کہ سب جگہ ہولی
جلائی جائے۔ جابجا سوکھی سوکھی لکڑی کنڈوں کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں۔ اُنھیں میں آگ لگانے
کو ہولی جلانا کہتے ہیں۔ ہولی جلا کر لوگ رات بھر خوب گاتے بجاتے ہیں۔ سویرے
عورتیں اپنی سکھی سہیلیوں سمیت ہولی تاپنے جاتی ہیں۔ عبیر۔ اُبٹنا۔ گھی۔ شکر۔ چاول۔
کُسم کا پیڑ۔ گوبر کا بلا وغیرہ ساتھ لے جاتی ہیں وہاں آن کر ہولی کھیلتی ہیں پھر سے پھر کر
اپنا بناؤ سنگار کرتی ہیں گہنا پاتا عمدہ لباس پہنتی ہیں گھر میں کڑھائی چڑھاتی ہیں
پوری کچوری اور بھانت بھانت کے پکوان پکاتی ہیں۔ ہولی کے بعد کے دن کو دولینڈی
کہتے ہیں صبح کو مرد خوب خاک دھول کیچڑ ایک دوسرے پر اُڑاتے ہیں اس میں گالیاں دیتے
ہیں۔ جو عاقل ہوشیار ان کو بُرا جانتا ہے۔ اُس کو اور زیادہ بُرا کہہ کر چھیڑتے ہیں
یہ موسم بھی عجب مست ہوتا ہے۔ عاقل بھی بدمست ہو ہو کر نامعقول حرکتیں کرتا ہے
موسم کا وہ نشہ لوگوں کو چڑھتا ہے کہ بُرا کام بُرا ہی نہیں معلوم ہوتا۔ ان دس پانچ
دنوں میں اتنا فحش بکا جاتا ہے کہ سال بھر میں نہ بکا جاتا ہوگا ؛

لوگ گاتے بجاتے اپنے دوستوں اور بھائی بندوں پاس جاتے ہیں۔
ان کو رنگ میں نہلاتے ہیں۔ عبیر چھڑکتے ہیں جس کے ہاں جاتے ہیں ان
میں کوئی پان کے بیڑے کھلاتا ہے۔ کوئی معجون کی تواضع کرتا ہے۔
کوئی بھنگ کی لُٹیا مُنہ سے لگا دیتا ہے کوئی شراب کی بوتل آگے رکھ
دیتا ہے جو شرابی ہیں وہ نشہ پی کر ایسے بے ہوش ہوتے ہیں کہ ان کو تن

بدن کی کچھ خبر نہیں رہتی بعض تو تین تین چار چار روز تک بے خبر نشے کی حالت میں پڑے رہتے ہیں ۔ کوئی بھنگ کے نشے میں چور ہوتا ہے۔ کوئی معجون سے مخمور ہوتا ہے۔ نشہ میں بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں کہتے کچھ اور ہیں منہ سے نکلتا کچھ اور ہے۔ لوگوں کو ان نشہ بازوں کا بھی ایک تماشا ہوتا ہے۔ عورتیں آپس میں گلے ملتی ہیں۔ اور مبارکباد دیتی ہیں کہ پرمیشر نے یہ برس کشل چھیم سے پورا کیا۔ جو آج کا دن دکھنا نصیب ہوا۔ اپنے گھر ہولی کرنے کی ایسی خوشی ہوتی ہے کہ اگر کوئی پردیس میں بھی ہو تو ضرور گھر آنا چاہتا ہے۔ بعض شہروں میں عورتیں آپس میں بڑی دھوم دھام سے دعوتیں کرتی ہیں۔ اس تہوار پر بھی ایک رسم ہے کہ جو لڑکیاں سسرال میں ہوں اُن کو ماں باپ اور جو میکے میں ہوں اُن کو ساس سسر کپڑے نقدی مٹھائی گہنا بھیجتی ہیں ۔

ہندوؤں کے پران میں اس تہوار کی اصل یہ لکھی ہے کہ اجودھیا میں ایک راجہ رگھو تھا جس کے راج میں پرجا بڑے سکھ چین سے رہتی تھی۔ دُکھ درد کو جانتی نہ تھی کہ کیا ہوتا ہے۔ مگر ڈھونڈھا ایک راکشسنی ایسی بلا پیدا ہوئی کہ رات دن اُن کے بچوں کو ایسا ستایا کہ اُن کا ناک میں دم آگیا۔ بہت جنتر منتر کئے مگر کوئی اُس پر بس نہ چلا تو ناچار راجہ پاس دُہائی مچاتے گئے۔ راجہ نے اُن کے دُکھ کو سن کر منشی بسشٹ سے پوچھا کہ اس کا کیا اپائے کرنا چاہئے۔ انھوں نے کہا کہ مہاراج پر تھوی ناتھ گاؤں گاؤں کے لڑکے بہت سی سوکھی لکڑیاں کنڈے ایک جگہ اکٹھے کر کے ڈھیر لگائیں۔ پھر ایک خاص وقت

میں ان ڈھیروں میں آگ لگائیں۔ خوب ناچیں کودیں اچھلیں اور راکشسنی کو بہت برا کہیں۔ تو
وہ جل بھن کر بھسم ہو جاوے گی۔ یہی لوگوں نے کرکے ڈھونڈھا کو فی النار کیا۔ اور اس
آفت جان کو سر سے ٹالا۔ اصل تو یہ تھی جس کی نقل اب تک چلی آتی ہے۔ دنیا کے اور
اور بہت سے ملکوں میں فصل کٹنے پر چند روز بڑی خوشی کے مقرر ہوتے ہیں وہ کام جو
اور موسموں میں برے سمجھے جاتے ہیں ان دنوں نہیں سمجھے جاتے۔ اس لئے یہاں بھی
پھاگن میں ہولی کھیلی جاتی ہے۔ اس مہینہ میں راجہ رامچندر جی کی مہارانی سیتا جی کے
جنم کے دن بدی آٹھیں کو ایک برت ہوتا ہے۔ ایک اور برت شیوراتری کا ہوتا ہے جس کو
عورت مرد سب رکھتے ہیں مندروں پر بڑی بھیڑ بھاڑ لگتی ہے۔ مہادیو کی پوجا بڑی
دھوم سے ہوتی ہے ۔

مئی کا مہینہ

مولوی محمد اسمعیل

مئی کا آن پہنچا ہے مہینہ / بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ
بجے بارہ تو سورج سر پہ آیا / ہوا زیر قدم پوشیدہ سایا
چلی لو اور تڑاقے کی پڑی دھوپ / لپٹ ہے آگ کی گویا کڑی دھوپ
زمیں ہے یا کوئی جلتا توا ہے / کوئی شعلہ ہے یا پچھوا ہوا ہے
در و دیوار ہیں گرمی سے تپتے / بنی آدم ہیں مچھلی سے تڑپتے
پرندے اڑتے ہیں پانی پہ گرتے / چرندے بھی ہیں گھبرائے سے پھرتے
درندے چھپ گئے ہیں جھاڑیوں میں / مگر ڈوبے پڑے ہیں کھاڑیوں میں

نہ پوچھو تم غریبوں کے مکاں کی
زمیں کا فرش ہے چھت آسماں کی

نہ پنکھا ہے نہ ٹٹی ہے نہ کمرہ
ذرا سی جھونپڑی محنت کا ثمرہ

امیروں کو مبارک ہو حویلی
غریبوں کا بھی ہے اللہ بیلی

گنگا کی نہر

گنگا مائی کی تو کرپا سدا سے ہم پر چلی آتی ہے اب اُن کی لڑکی گنگا کی نہر نے ہم پر اور زیادہ کرم کیا ہے کہ سہارن پور سے لے کر کان پور تک تمام اضلاع میں اپنے قدموں کی برکت سے زمینوں کو سیراب اور شاداب کیا ہے ابھی تو اس بیٹی کے جنم پر چھتیس ہی برس گذرے ہیں جب وہ اور عمر میں بڑھے گی۔ اور اُس کی اولاد جھیوں کی اور زیادہ ہوگی تو ہماری زمین کا چپہ چپہ پھولے پھلے گا۔

اس ملک میں دریائے گنگ تو ایک قدرتی چشمۂ فیض ہے مگر یہ نہر وہ مصنوعی منبع فیض ہے کہ جس کا جواب ساری دنیا میں نہیں یہ دولت ہم کو انگریزی گورنمنٹ کی بدولت حاصل ہوئی ہے گو مسلمانوں کی سلطنت میں دو نہریں شرقی و غربی جمنا کی جاری ہوئیں مگر وہ انھیں کی سلطنت میں ٹوٹ پھوٹ گئیں اگر انگریزی گورنمنٹ اُن کی مرمت کی خبر نہ لیتی تو وہ مٹ مٹا کر برباد ہو گئی ہوتیں مگر اِن نہروں کی حقیقت اس گنگا کی نہر کے آگے ایسی ہے جیسے کہ جمنا کی گنگا کے آگے۔

یہ نہر انسان کی صنعت اور قدرت کا عجیب نمونہ ہے۔ اس کے بنانے میں جیسی جو دشواریاں پیش آئیں اور جس طرح جناب کاٹلی صاحب اور انجینئروں نے

ان کو ہٹایا وہ اس بات پر دلیل ہیں کہ ان صاحبوں کو فن تعمیر میں بڑے درجہ کا کمال تھا۔
اور کوئی صنعت اس فن کی ایسی نہ تھی جو اس میں صرف نہ ہوئی ہو۔ کاٹ لی صاحب کا نام
اس نہر کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ مشہور ہے کہ کاٹ لی صاحب نے گنگا کاٹ لی۔ انھوں نے
تمام زمینوں کی اونچ نیچ کا حساب لگایا بیچ بیچ میں جو ندی نالے جھیلیں پڑتی تھیں ان کو
سوچ لیا کہ ان میں سے کس کو نہر سے اونچا نیچا دکھائے اور کس کو نہر میں ملا لے۔ کس کے نیچے
سے کس کے اوپر سے نہر لے جائے۔ رڑکی اور پتھری میں جو پہاڑوں پر سے برسات کا
پانی ریلوں کے ساتھ آتا تھا۔ ان کے نیچے سے نہر کو نکالا اور سولانی ندی کے اوپر سے
یہاں جا کر اس نہر کی عمارتوں کو دیکھئے تو عقل دنگ ہوتی ہے۔ ان کی سمجھ کو دیکھئے کہ
پانی کا ڈھال ایسا رکھا ہے۔ اور کئی جگہ جھال ایسے بنائے ہیں کہ پانی کا زور نہ تو ایسا کم ہو رہے
کہ خس و خاشاک کے ڈھیروں سے رک جائے۔ نہ ایسا زبردست کہ تہ کی زمین کو بگاڑ دے
اور کناروں کو کاٹ دے۔ پھر یہ خوبی ہے کہ نہر کے اندر پانی کو ایسی سطح پر چلایا ہے کہ وہ
زیادہ سے زیادہ زمین پر آب پاشی کر سکے۔

نہر کا طول ہردوار کے سرے سے نانھوں ضلع علی گڈھ تک ۱۸۰ میل ہے۔ پھر
یہاں سے دو نہریں گئی ہیں ایک ۱۷۰ میل بہ کر گنگا سے کان پور میں ملی ہے۔ دوسری
۱۷۵ میل بہ کر جمنا میں اٹاوہ میں ملی ہے۔ چوڑان ۸۰ فیٹ سے ۲۰ فیٹ تک اور گہراؤ ۸ فیٹ سے
۵ فیٹ تک ہے۔ جا بجا اس کی شاخیں اور رجبہے جاری ہیں۔ آموں کے باغیچے جا بجا بنے
ہیں۔ دورویہ بڑے بڑے درخت سایہ دار برابر لگے ہیں۔ پل ایسے بنے ہیں کہ ان میں

تین میل سے زیادہ فاصلہ نہیں آمد و رفت آسانی سے ہوتی ہے۔ اکثر پلوں پر گھاٹ بنا دیئے ہیں کہ آدمیوں کو نہانے دھونے کا آرام ملتا ہے۔ جھالوں پر ایسا سامان تیار کر دیا ہے کہ کشتیاں آتی جاتی ہیں۔ غرض جن ہنرمندوں نے اس بڑے کام کو انجام دیا ہے۔ انھوں نے بڑی تن دہی اور ہوشیاری سے کام کیا ہے اور فن عمارت میں اپنے ماہر ہونے کا کمال دکھایا ہے۔

یہ نہر وہ ہے کہ جس سے رعایا کو بہبود اور گورنمنٹ کو سود حاصل ہوتا ہے۔ کام وہی اچھا ہوتا ہے کہ جس میں اجا پر جا دونوں کا بھلا ہو۔ اگر ایک کو فائدہ ہو اور دوسرے کو نقصان تو آخرکار ایسے کام کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ اب ہم تفصیل دونوں کے فائدوں کی لکھتے ہیں۔

رعایا کے فائدے

پہلا۔ جہاں پانی پہلے سے موجود تھا مگر اس کا کچھ ٹھکانا نہ تھا کہ کتنے کھیتوں میں کام آئے گا۔ اب بہ اطمینان ہو گیا کہ وہ اتنے کھیتوں کو سیراب کرے گا۔

دوسرا۔ جہاں پانی کا کال تھا اور آب پاشی نہ ہونے سے زمین ویران پڑی تھی اس نہر سے آب پاشی ہونے لگی۔ اور مالکوں کو فائدہ پہنچانے لگی۔

تیسرا۔ آب پاشی کے تمام طریقوں میں نہر آب پاشی کرنے میں محنت کم ہوتی ہے اور خرچ تھوڑا ہوتا ہے۔ اس محنت اور خرچ کی بچت اور زمینوں کے تردد میں خرچ ہونے لگی اور اس سے فائدے اٹھنے لگے۔

چوتھا۔ نہر سے سینچائی زمین کی خوب ہوتی ہے جس سے پیداوار بڑھتا ہے اور اس سے

فائدہ حاصل ہوتا ہے +

پانچواں - اُن قیمتی جنسوں کی زراعت جو اس بات پر موقوف تھی کہ بہت سا پانی ہر وقت سر دست مل سکے وہ ہونے لگی +

چھٹا - زمین کی نہری ہو جانے سے ملکیت اراضی کی قیمت بڑھ گئی +

ساتواں - گنگا جمنا دونوں سے یہ نہر ملتی ہے - اِس لئے پانی کی راہ سے آمد و رفت آسان ہو گئی اور اس سے تجارت کا بازار چمک گیا اور تجارت کے منفعت ہونے لگی +

آٹھواں - خشک سالی میں بالکل پیدا ہونے کا خوف جاتا رہا - مینہ نہ پڑنے سے کھیتوں کے سوکھ جانے کا اندیشہ نہ رہا - دونوں حال میں اس بات کی امید ہو گئی کہ ضرور اتنا اناج پیدا ہو جائے گا کہ جس سے بال بچوں کو روٹی کا سہارا ہو جائے گا +

گورنمنٹ کے فائدے

اول - پانی کے محصول کی آمدنی +

دوم - پانی میں تجارت کے مال کی آمد و رفت کا محصول +

سوم - متفرق خراج کی قسمیں جو نہر کے سبب سے پیدا ہوئیں -

چہارم - وسعت آبپاشی سے زر مال گذاری کی آمدنی زیادہ ہو گئی +

پنجم - قحط سالی کے خرچوں کی بچت +

غرض اب اِس انگریزی عملداری کے سبب سے ہندوستان کے نصیب کھل گئے ہیں - کہ ایک طرف نہروں کا پانی اپنے یہ کرشمے دکھا رہا ہے دوسری طرف ریل لوہے کی پٹریوں اور

آگ اپنے تماشے دکھا رہی ہے۔ اور اس کے فائدوں نے گرمی کے آگے پانی کے فائدے ٹھنڈے ہوئے جاتے ہیں پہلے تو ہندوستان کو شاعروں کی قافیہ بندی نے جنت نشان بنایا تھا۔ مگر اب اس آگ پانی نے حقیقت میں اس کو جنت نشان کر دیا +

طوطا

طوطا ایک مشت پر اور بلی کا کھاجا مشہور ہے کیسا خوش نما اور خوبصورت جانور ہے اسی کے پروں پر سبز رنگ کی خوبی ختم ہے جو سبز چیز خوش رنگ ہوتی ہے اس کو ہم کہا کرتے ہیں کہ طوطے کے پر ہیں گلے میں ایک قدرتی کنٹھا نیچے سے سیاہ اوپر گلابی یا لال نہرا بنا دیتا ہے۔ چونچ رنگیلی چھوٹی سی چونچ لیکن مضبوط قینچی سے زیادہ تیز ہوتی ہے کہیں تم ایسی حماقت نہ کرنا کہ انگلی اس کے سامنے کر دو۔ وہ بوٹی اڑا لے گا۔ ایسا کاٹے گا کہ کسی اور جانور نے کبھی نہ کاٹا ہوگا۔ اس کی یہ چونچ کاٹنے اور کترنے کے لئے وضع ہوئی ہے اس کی نوک سخت پھلوں میں گھس جاتی ہے۔ اور اندر سے گری گودے گٹھلی کو کتر کر جھٹ پٹ نکال لاتی ہے۔ طوطا جس چیز کو چاہتا ہے اپنے پاؤں میں یوں پکڑ لیتا ہے۔ جیسا تمھارا ہاتھ اس کے پاؤں میں چار انگلیاں ہوتی ہیں اس کے جوڑ ایسے نرم ہوتے ہیں کہ وہ تمھاری انگلیوں کی طرح سب طرف مڑ سکتے ہیں اگر پاؤں اور چونچ ایسی ہوتی تو وہ نہ درختوں پر چڑھ سکتا نہ لٹکی ہوئی سنی میں لٹک سکتا۔ وہ ایک ڈالی کو چونچ میں پکڑتا ہے اور دوسری کو پاؤں میں تھامتا ہے اور درختوں کی پھننگ پر چڑھ جاتا ہے + یہ زبان چونچ پنجہ قدرتی چمچہ چھری کانٹا کھانے کے واسطے ہے

پنجرے میں روٹی کا ٹکڑا اُس کو دو۔ تو وہ پاؤں میں پکڑ کے زبان سے کھائے گا۔ اگر
آم دو تو اُس کے گودے کو زبان سے چمچے کی طرح نکال لے گا۔ طوطوں کو پہاڑ جنگلوں
میں دیکھو۔ سدا بہار درختوں میں رہتے ہیں جن کے پتے ہمیشہ سبز پھول کھلے رہتے ہیں۔
وہاں ان کو شکر خورے اور چھوٹے پرندے اڑتے رہتے ہیں۔ رات کو جگنو چھوٹے ستاروں
کی طرح چمکتے ہیں وہ درختوں کے سبز پتوں میں بیٹھے ہوئے نہیں معلوم ہوتے۔ مگر
اُن کی ٹائیں ٹائیں کا غل شور ایسا ہوتا ہے کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ یہ کیا اُدھم
مچ رہا ہے جب غور سے دیکھتا ہے تو درختوں کی ڈالیوں پر سیکڑوں طوطے بیٹھے ہیں
ڈال ڈال پات پات پھر رہے ہیں۔ طوطوں کو نہانے کا ایسا شوق ہے
کہ وہ پانی کی تلاش میں کوسوں اُڑتے چلے جاتے ہیں جہاں پانی ملتا ہے۔ دل
بھر کے نہاتے ہیں پروں پر چھینٹے دیتے ہیں پھر باہر نکلتے ہیں دھوپ میں
پروں کو سنوارتے ہیں دوپہر کو جب گرمی زیادہ ہوتی ہے تو وہ گھنے درختوں کے
پتوں کے سایہ میں سو جاتے ہیں۔ اُس وقت جنگل چپ چاپ ہو جاتا ہے پھر جہاں دن
ڈھلا وہی ٹائیں ٹائیں کا شور مچا۔ جہاں دن کو سوتے ہیں وہاں رات کو بسیرا نہیں لیتے
وہ گھونسلا نہیں بناتے بلکہ پرانے درختوں میں سوراخ ڈھونڈتے ہیں جو
اکثر کٹھ بڑھئی بنا دیتے ہیں یا کھوکھلے درخت میں وہ رات کو جتنے سماتے ہیں
گھس جاتے ہیں باقی باہر ڈال کو چونچ اور پنجوں میں پکڑ کر بسیرا لیتے ہیں اپنے
گھروں کو اندر سے نہیں سجاتے۔ درختوں کے گودوں کی نرمی کو اپنے انڈے دینے

کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ اِن کو مِل جُل کر رہنا پسند ہے جب وہ اُڑتے ہیں تو ساتھ کے ساتھ اُس وقت اُن کی لمبی دُمیں اور بازو پھیلے ہوئے ہوا میں بڑی بہار دکھاتے ہیں۔ باغوں اور کھیتوں میں پھلدار درختوں کا وہ بڑا ستیاناس ملاتے ہیں اچھے سے اچھا پھل کُترتے ہیں اِس لئے باغوں میں باغبان غلیل اور غُلّے اور کھیتوں میں لڑکے گوپھنیں ہاتھ میں لیے ہوئے کھڑے رہتے ہیں درختوں میں کھٹکے لگا کے اِن کو اُڑاتے ہیں اگر آدمی یہ نہ کریں تو وہ باغ کے باغ اور کھیت کے کھیت کتر کر پھینکدیں بعض آدمیوں کو طوطے پالنے کا شوق ہوتا ہے۔ وہ اُن کے پڑھانے میں اپنا مغز پچّی کرتے ہیں اُن کی زبان اور حلق کی ساخت ایسی ہے کہ وہ سب طرح کی آوازوں کی نقل اُتار سکتے ہیں کُتّے کی بھوں بھوں بلی کی میاؤں میاؤں ان سے سُن لو۔ گیت ان کو الو۔ سوالوں کے جواب سُن لو۔ اُستاد کے کہنے پر وہ بڑی توجہ کرتا ہے جو وہ کہتا ہے اُس کی نقل اُتارتا ہے۔ بار بار تکرار سے سبق خوب یاد کر لیتا ہے سکھائی ہوئی باتیں خوب صفائی سے بولتا ہے اِس کے مغز کا وزن اور پرندوں سے زیادہ ہے اِس لیے پرندوں میں وہ عالم گنا جاتا ہے۔ اور طوطوں کی خوب معلّمی کرتا ہے۔ مگر جو بولتا ہے سمجھتا ذرا نہیں اِس لئے جو لڑکے بن سمجھے سبق کو یاد کر لیا کرتے ہیں اُن کو کہا کرتے ہیں وہ طوطے کی طرح پڑھتے ہیں جو لڑکا مدرسہ میں ایسا ہو وہ اپنے تئیں میاں مٹھو سمجھ لے سوا اس کے وہ اور تماشے بھی پیارے پیارے کرتا ہے۔ رات کو بنٹی ہلا کر کیا روشنی کا چکر بناتا ہے۔ سکّوں کو پہچاننا ایسا سیکھ جاتا ہے کہ جو نسا سکہ کہو اُسی کو اُٹھا لاتا ہے جب کبھی طوطا پڑھا پڑھایا سکھایا سکھایا اُڑ جاتا ہے اور پھر ہاتھ نہیں آتا ہے تو پالنے والے کے

ہوش و حواس اُڑ جاتے ہیں اسی معنی میں یہ محاورہ مشہور ہے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے طوطے دیکھنے میں خوشنما ل
لیتے ہیں بے وفا آدمی کو کہتے ہیں کہ اس نے طوطے کی سی دید پھیر لی پڑھے ہوئے طوطوں کی قدر جنگلی
طوطوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جسے کوئی پیسے کو مول نہ لے اُسے روپیوں کو مول لے کر کہیں کوڑیوں کے مول لیتا
تماشا جب ہوتا ہے کہ وہ چوک میں اپنا مول آپ بول اُٹھتے ہیں یا کوئی چہ می گوئی کہہ کر یار آگ لگا کر گاہک کو
ٹھگ لیتے ہیں پس جب طوطوں کا یہ حال ہے تو پڑھے ہوئے لڑکوں کی قدر و منزلت جاہل لڑکوں سے کیوں نہ زیادہ
ہوگی ✤ طوطی اپنے منہ سے میاں مٹھو بولتے ہیں اس لیے جو شخص اپنی آپ تعریف کرتا ہے اُسے
اپنے منہ سے میاں مٹھو کہتے ہیں ✤

بھیڑیا اور چھوٹا لڑکا

ایک لڑکے کا سنو تم ماجرا — بکریاں اپنی چراتا تھا سدا
دل میں اُس کے ایک دن آئی مزاح — ہو گئی وہ وجہ رسوائی مزاح
شرم بھی اُس کو نہ تھی بھیڑیا — دفعتاً جنگل میں غل کرتا چلا
کوئی دوڑو بھیڑیے نے آ لیا — میری ساری بکریوں کو کھا لیا
کہنے پر گرگ کے دوڑے لوگ وہاں — گرگ کا ہرگز نہ پایا کچھ نشاں
آ کے شرمندہ ہوئے سب آدمی — دیکھ کر اُن کو اُسے آئی ہنسی
اِس طرح اُن سے کیا دو تین بار — پھر رہا مطلق نہ اُس کا اعتبار
آخر اک دن اتفاق ایسا پڑا — گرگ اُس کی بکریوں میں آ پڑا
تب وہ رو اُٹھا نہایت شور کر — بھیڑیا آیا ہے تم دوڑو اِدھر
پھر نہ کوئی اُس کے پاس آیا وہاں — بھیڑیے نے خوب کھائیں بکریاں

اب سمجھ اس بات کو اے باصفا
جھوٹھ کہنا ہے ہنسی میں بھی بُرا

اس سخن کو یاد رکھ کیا خوب ہے
جھوٹھ کہنا ہر طرح معیوب ہے

قول سچا ہر کسی کا ہے عزیز
ہو تمیز یا کہ ہو وہ بے تمیز

دال چپاتی

مولوی محمد اسمعیل صاحب

اور سنو اک حکایت نئی
دال چپاتی میں جھڑپ ہو گئی

دال لگی کہنے کہ میرا مزہ
کرتا چپاتی کو بھی ہے بامزہ

ہے بدون اس کو بھلا کھائے کون
روکھی چپاتی میں مزہ پائے کون

بلکہ نری دال اگر کھائیے
ہونٹ ہی بس چاٹتے رہ جائیے

کرتا ہے درویش جو روٹی طلب
دال چپاتی اُسے دیتے ہیں سب

دیکھ لو اس وقت مری برتری
نیچے ہے وہ اور میں اوپر دھری

بیٹھی ہوں چڑھ کے چپاتی پہ میں
مونگ دلا کرتی ہوں چھاتی پہ میں

اس کے سوا دیکھئے میرا سنگھار
پہلے مصالح ہے پھر اس پر بگھار

مجھ کو پکاتے ہیں سبھی او بدا
کھاتے ہیں سب شاہ سے لے تا گدا

میری فضیلت میں نہیں کوئی شک
واہ رے میں اور مرا آب و نمک

ذائقہ خوشبو پہ مرے لوٹ ہے
دل پہ چپاتی کے یہی چوٹ ہے

دال نے شیخی جو بگھاری بڑی
سن کے چپاتی بھی اچھل ہی پڑی

بے ادبی کر نہ مری شان میں
میری طفیلی ہے تو ہر خوان میں

دال ہو سالن ہو کہ چٹنی اچار / سب ہیں پھر ساتھ کے خدمت گذار

کوفتہ ہو قورمہ ہو یا کباب / تھام کے چلتے ہیں میری رکاب

چٹ پٹی ترکاریاں جب ہوویں ساتھ / دال کو پھر کون لگاتا ہے ہاتھ

دال کا دانہ بھی نہ چکھے کوئی / بلکہ رکابی میں نہ رکھے کوئی

دال تو اک ہارے کا ہتھیار ہے / کھائے وہی اُس کو جو بیمار ہے

دال میسّر نہیں ہوتی جنہیں / صرف چپاتی کو غنیمت گنیں

جس کی فقط دال پہ گذران ہے / آدمی کاہے کو وہ حیوان ہے

یوں تو سبھی کھانوں میں اوّل ہوں میں / دال سے سو مرتبہ افضل ہوں میں

دونوں میں القصہ بہت بڑھ گئی / ایک پہ ایک آن کے پھر چڑھ گئی

لقمہ بنا دونوں کو میں کھا گیا / قصہ ہوا فیصلہ جھگڑا گیا

ہاتھی

ہاتھی پر ہندوستان کو بڑا فخر ہے۔ وہ سارے چوپایوں میں عقل میں زور میں ڈیل ڈول میں بڑا ہے۔ رنگت اس کی اکثر سیاہ اور کمتر سفید اور بھوری ہوتی ہے۔ یہاں اس کا قد دس بارہ فٹ ہوتا ہے۔ افریقہ میں اس سے بھی زیادہ اونچا۔ وزن بھی اس کا سو ڈیڑھ سو من کا ہوتا ہے۔ ٹانگیں ستون کی مانند ہوتی ہیں مگر چھوٹی اور بہت مضبوط جب وہ بدن کے بھاری بوجھ کو سہارتی ہیں۔ پیشانی سپر معلوم ہوتی ہے۔ کان چھاج جب وہ ہلاتے ہیں تو پنکھے کی سی ہوا نکلتی ہے۔ بعض ہاتھیوں کے کان ایسے چوڑے ہوتے ہیں کہ

آدمی اِن کی چھتری بنا کے اپنے تئیں مینہ کے بھیگنے سے بچا سکتا ہے۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی
ہوتی ہیں وہ بہت دور تک دیکھ نہیں سکتا۔ اس لئے وہ روشنی سے گھبراتا ہے۔ دن کو گھنے جنگلوں
میں چھپا رہتا ہے۔ رات کو سیر کرتا ہے۔ موٹی کھال جسم پر ڈھیلی ڈھالی ہوتی ہے جا بجا اُس میں
چُرسیں پڑی ہوتی ہیں۔ اکثر چوپایوں میں گردن مناسب ٹانگوں کے ہوتی ہے جس سے
انھیں کھانا زمیں پر آسان ہو۔ مگر ہاتھی کی گردن تنگ اور چھوٹی ہوتی ہے۔ کہ وہ اس کے
سر اور گردن کا بوجھ سہار سکے۔ مگر اس تنگ گردن کا معاوضہ سونڈ سے ہو گیا ہے جو چھ
سات فیٹ لمبی ہوتی ہے یہی اس کی ناک مُنہ سے ملی ہوئی ہے جس سے وہ خوب سونگھتا
ہے اور سانس لیتا ہے۔ وہی اس کا ہاتھ ہے جس سے کھاتا ہے۔ جب بھوک لگتی ہے تو وہ
درختوں کے ٹہنوں کو اس میں لپیٹ کر توڑا اور درختوں کو اکھیڑ لیتا ہے۔ پتوں۔ ٹہنیوں
پھولوں کا ڈھیر لگا دیتا ہے۔ پھر ان کو اپنے مُنہ کا نوالہ سونڈ سے بنا کے حلق میں لے جاتا ہے
جب پیاس لگتی ہے تو اسی سونڈ کو مشک بنا کر اُس میں پانی کھینچ لیتا ہے اور اُسے مُنہ میں اُنڈیل کر
پی جاتا ہے۔ گرمی جب اس کو ستاتی ہے تو سونڈ میں پانی بھر کر اپنے بدن پر چھڑکتا ہے۔ پانی
سے وہ بڑا خوش ہوتا ہے اس لئے سنسکرت میں اس کا نام سمندر کا بیٹا ہے۔ وہ دریا
میں اپنے سارے جسم کو ڈبائے ہوئے اور سونڈ کو باہر نکالے ہوئے گھنٹوں کھڑا رہتا ہے۔
رات کو اکثر نہاتا ہے۔ سردی اس کو پسند ہے۔ سونڈ کے سرے پر ایک اُنگلی سی ہوتی ہے جس سے
وہ چھوٹی سے چھوٹی چیز کو پکڑ لیتی ہے۔ پتے اور گھاس کے پتے تک وہ اٹھا لیتی ہے۔ گرہوں
کو کھول سکتی ہے۔ خوشبودار پھول چُن چُن کر گلدستہ بناتی ہے۔

پہلے سونگھتی ہے۔ پھر ذائقہ چکھنے کے لئے مُنہ میں رکھ دیتی ہے۔ اس سونڈ کے گرد دانت باہر
نکلے ہوتے ہیں نر کے بڑے مادہ کے چھوٹے ہوتے ہیں بعض قسم کے دانت لمبے لمبے
سیدھے موٹے من ڈیڑھ من کے وزن میں ہوتے ہیں بعض قسم کے چھوٹے چھوٹے دس بارہ انچ کے
طول میں ایک فٹ وا انچ قطر میں بیس پچیس سیر وزن میں ہوتے ہیں۔ وہ درختوں اور شاخوں کو چیرتے
چھالوں کو چھیلتے ہیں زمین کو کھود کر کنواں بنانے میں بڑی مدد کرتے ہیں قدرت سے تو یہ
دانت اُن کو اِس لئے ملے تھے کہ اپنے دشمنوں کو مغلوب کریں۔ مگر اُن کی
خوب صورتی اُلٹی اُن کی جان کی دشمن ہو گئی۔ اِن دانتوں کے سوا کھانے کے
دانت مُنہ کے اندر اور ہوتے ہیں مثل مشہور ہے کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے
اور ہوتے ہیں۔ ہاتھی دانت انسان کے بہت کام آتا ہے۔ وہ سیکڑوں چیزیں اُس کی
بناتا ہے اور فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس لئے ہاتھیوں کو شکار کر کے مارتا ہے
افریقہ والے اُس کے گوشت کو بھی بڑا لذیذ جانتے ہیں۔ اور مزے سے
کھاتے ہیں اِس لئے بھی اُسے مارتے ہیں۔ ہاتھی دانت کے بیش قیمت ہونے نے ہی اس ضرب المثل
کو بنایا ہے کہ ہاتھی مرے پر بھی لاکھ ٹکے کا۔ ہاتھی اِس ڈیل ڈول پہ
سبک رو ایسا کہ سوار کے پیٹ کا پانی نہ ہلے۔ دس بارہ آدمیوں کو پیٹھ پہ بٹھا کر
کوسوں چلے۔ باوجود شہ زور ہونے کے کم آزار ایسا کہ کسی جانور کو نہیں ستاتا۔
رحم دل ایسا کہ اگر بچہ اُس کی راہ میں آ جائے تو سونڈ سے اُس کو اٹھا کر اس طرح الگ
رکھ دے گویا کہ اُس کی ماں نے اٹھا لیا۔ وہ اگر دشمن ہے تو آدمی جو اسے پکڑتا ہے۔ مارتا ہے

طرح کی تکلیفیں پہنچاتا ہی- اگر ہاتھی گھوڑے کے سوار پر حملہ کرے تو آدمی کو پاؤں تلے دبا کر
مارے گا- گھوڑے سے کچھ نہیں بولے گا- وہ ڈرپوک بھی ایسا ہی کہ ایک چھوٹے سے جانور
کو دیکھ کر چونکنا ہوتا ہی- بہادر بھی ایسا ہی کہ شیر سے ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہی- اور اپنی چنگھاڑ
سے اُس کا ناک میں دم کرتا ہی*

ہاتھی اور جانوروں کی طرح زمیں پر لوٹ پوٹ نہیں ہوتا اور نہ اُس قدر لیٹتا ہی- خواہ وہ کیسا ہی
تھک جائے مگر زمیں پر لیٹ کر نہیں آرام کرے گا- خدا نے اُس کے چار پاؤں کو ایسا عمدہ پلنگ
بنا دیا ہی کہ سونے کے لیے اُسے کہاں اور زیادہ آرام مل سکتا ہی- زمیں پر لیٹنا اُس کا
موت کی نشانی ہی- مثل مشہور ہے کہ ہاتھی گر کر نہیں اُٹھتا- پھر اِس کو مردہ ہی اُٹھاتے ہیں
بعض اوقات وہ کھڑے ہی کھڑے مر جاتا ہی* گرم اور پہاڑی ملکوں میں اکثر اُن کے
بن ہوتے ہیں- بنگال- بہار- نیل گری- نیپال- برہما- سیام- لنکا میں جنگلی بن بہت ہیں
پنجاب میں کوئی ایسا بن نہیں* وہ اکثر ایسے ملکوں میں رہتے ہیں جہاں گھن کے درخت بہت
ہوں وہاں وہ اپنے آرام کے لئے گھر ایسے بنا لیتے ہیں کہ کسی موسم میں تکلیف نہیں ہوتی
گلے کے گلے اُن جنگلوں میں پڑے پھرتے ہیں اور دور دور نکل جاتے ہیں مگر اُس کے ساتھ
راہ کی خبر کے لئے اکثر ایک بوڑھی ہتنی کو آگے روانہ کرتے ہیں وہ برے بھلے کی خبر رکھتی ہی
جب سوتے ہیں تو بھی ایک ہتنی اُن کی رکھوالی کرتی ہی- اور جاگتی رہتی ہی* ایک گلے میں ایک
ہی کُنبے کے ہاتھی ہوتے ہیں- غیر اُن میں نہیں ہوتے- وہ سب صورت شکل میں آپس میں ملتے
جلتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ ایک ہی جوڑے کی اولاد ہیں- کبھی کبھی اُن میں

آپس میں لڑائی بھی ہوجاتی ہے۔ خوب سونڈوں کے پیچ اور ستکوں کے رگڑے اور دانتوں کی ٹکریں اور سروں کو ملا کر دھکا پیل ہوتی ہے کبھی کبھی پانی کی تلاش میں اُن کے کئی کئی گلے ایک غول بنا لیتے ہیں مگر جہاں کہیں خوف و خطر پیش آتا ہے تو وہ الگ الگ ہوجاتے ہیں اور اپنے بچانے یا بھاگنے کی جُدا جُدا تدبیر کرتے ہیں ہر گلہ میں ایک ہاتھی زیادہ زور آور بڑے ڈیل ڈول کا ہوتا ہے۔ وہی سردار ہوتا ہے۔ سب اُس کی اطاعت کرتے ہیں اگر اُس پر کوئی آفت آئے تو اُس کو بیچ میں لے لیتے ہیں اور سب آفتوں کو اپنے سر پر سہتے ہیں سردار اگر مادہ ہے تو بھی اُس کی اطاعت کے لئے آمادہ ہیں ہتھنیوں میں عجب صفت ہے کہ وہ اور ہتھنیوں کے بچوں کو بھی ایسا ہی پیار کرتی ہیں جیسے کہ اپنے بچوں کو کبھی بچہ کو پیٹھ پر سوار کرتی ہیں کبھی اتارتی ہیں *

یہ حالتیں تو وحشی پنے میں اُس کی ہوتی ہیں مگر جب حضرت انسان اُن کو پکڑ کر الہی بناتے ہیں تو وہ تعلیم سے ایسے اہل ہوجاتے ہیں کہ منہ میں لگام کی ضرورت ہے نہ ناک میں نکیل کی فقط مہاوت کی بڑی بڑی دہشت پر بہت سے کام کرتے ہیں اور اُس کے انکس اور آسن کے اشارے میں وہ بیٹھتا اُٹھتا چلتا دوڑتا ہے

اشعار

یہ حق نے آدمی کو زور بخشا	ہوا ہے تابع ہر حیوان اُس کا
کوئی عہدہ بڑا اس سے ہوا ہے	میاں یہ کلسرا کیا بدبلا ہے

پہلے زمانہ میں جب توپ بندوق کا نام نہ تھا میدان کارزار میں اُن کو لڑنا سکھایا جاتا تھا اور وہ اس لڑائی کو ایسا سیکھ جاتے تھے کہ دشمنوں کے لشکروں کو روندتے

چلے جاتے تھے ✤ اشعار ✤

آرائش محفل

سروں کو یوں قدم نیچے ملے ہے ‌ ‌ جنوں کو جس طرح چکی دلے ہے

اٹھا اپنی سونڈوں کو چنگھاڑ مار ‌ ‌ جو حملہ کرے فوج پر ایک بار

سواروں کا ستھراؤ ہو اک قلم ‌ ‌ پیادوں کے پھر جا نکٹھہریں قدم

اُن کے قلعے بنائے جاتے تھے دشمنوں کے سواروں کے گھوڑے ان سے بدکتے تھے مگر اُن میں جو نامرد ہوتے تھے۔ وہ اُلٹے اپنے ہی لشکر کو کچل ڈالتے تھے۔ مثل مشہور ہے کہ نامرد ہاتھی اپنی ہی فوج کو مارے۔ آج کل وہ لڑائی کے میدان میں نہیں کھڑے ہو سکتے اس لئے کہ وہ آگ سے بہت ڈرتے ہیں اور توپ کے گولوں کی آواز سے دور بھاگتے ہیں مگر ہاں وہ اب بھی لڑائیوں میں باربرداری کے کام میں آتے ہیں بڑے بڑے بھاری بوجھ لاد کر لے جاتے ہیں۔ بھاری توپیں کھینچتے ہیں ہاتھیوں کے توپخانے دیکھتے ہی ہو۔ بیلوں اور گھوڑوں سے وہ زور آور ہیں۔ اس لئے اُن سے زیادہ کام نکلتے ہیں سوا اس کے سونڈ سے وہ بوجھوں کے اتارنے اور لادنے میں بڑی مدد کرتے ہیں ✤ ہاتھی امیروں بادشاہوں کی سواری میں کام آتے ہیں انباریاں اُن پر کسی جاتی ہیں جھولیں زرق برق کی ڈالی جاتی ہیں۔ چاندی سونے کے زیور پہنائے جاتے ہیں عمارتوں و مکانوں و پلوں کے بنانے اور ڈھانے میں ہاتھی بڑی انجنیری کے کام کرتے ہیں۔ سیاح بیان کرتے ہیں کہ بعض ہاتھیوں کو انھوں نے عمارت کے کام میں ایسا ہوشیار دیکھا ہے جیسے کہ کوئی اچھا معمار ہوتا ہے۔ وہ لٹھوں اور پتھروں کو لگاتے ہیں اور چند قدم پیچھے ہٹ کر

سیدھا باندھ کر دیکھتے ہیں کہ وہ سیدھا ہے یا نہیں اگر سیدھا نہ ہوا تو پھر آن کر اُس کو سیدھا لگا دیتے ہیں۔ ایک سیلون کے انجنیر کا ذکر ہے کہ اُس کو پہاڑ و جنگل میں دو میل تک نل لگا کر پانی لے جانا تھا۔ اس جنگل میں سڑکیں نہ تھیں۔ اس کام کے لیے اُس نے چند ہاتھیوں کو اپنا مزدور بنایا اُن میں سے ہر ایک بھاری نل کو اُٹھا کر سونڈ میں تھام لیتا اور پھر چلتا۔ راستہ میں سب آفتوں سے بچا کر وہاں پہنچاتا جہاں نل لگنا چاہیے تھا۔ پھر گھٹنے ٹیک کر اُس خوبی اور درستی سے نل کو پیوست کرتا کہ گویا خود انجنیر صاحب ہی پیوند اُن کو دیا ہے۔ ایک دفعہ جب ایک ہاتھی نے دیکھا کہ نل ایسا بھاری تھا کہ وہ ٹھیک نہیں بیٹھ سکا۔ تو اس نے سرے پر جا کر سر سے دھکیل کر درست کر دیا۔ غرض ہاتھی کی عقل و دانش کی بہت سی کہانیاں مشہور ہیں اہل برہما ہاتھی کی پرستش کرتے ہیں جب اُن کے بچے پکڑے آتے ہیں تو سیکڑوں عورتیں اپنا دودھ اُن کو عبادت سمجھ کر پلاتی ہیں۔

وہ گنیش جی کی سواری میں علم کی مورت بنا ہے۔

کتّا اور بیل

گلزار نشاط

چرتا تھا جنگل میں لاغر کوئی بیل — ناتوانی سے تھا کتّے کا دبیل

کچھ پڑی تھی گھاس سوکھی ایک جا — بیل وہاں آہستہ چرنے کو گیا

دوڑ اعف عف کر کے بس کُتّا اُسے — اور نہ پاس آنے دیا اُس گھاس کے

جب ہٹا دی اُسے کُتّے نے گھاس — بیل بیچارہ یہ بولا ہو اداس

جنگل میں ثانی نہیں کوئی ترا — گھاس تو تیری نہیں کچھ بھی غذا

اِس لئے مانع تو کھانے کا ہوا | ایسا باعث دل دکھانے کا ہوا
اِس حکایت سے ہے میری یہ غرض | بخل کا دنیا میں جن کو ہے مرض
دوستو اُن کو کروکتا خیال | جمع کر رکھتے ہیں اپنے پاس مال
خود نہیں اُس سے اٹھاتے فائدہ | اور کسی کو بھی نہیں دیتے ذرہ

ہاتھی کی نقلیں

ہاتھی کی دانائی اور ہوشیاری کی سچی نقلیں اتنی عجیب غریب مشہور ہیں کہ ایک خاصی کتاب بن سکتی ہے ان سب سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خدا کی قدرت ہے کہ یہ جانور اس قدر زور ہی لمبے ڈیل ڈول پر ایک صفت ایسی رکھتا ہے کہ جب ہل جاتا ہے۔ تو اشراف ہو جاتا ہے۔ اپنے مہاوتوں کو پیار کرتا ہے۔ اُن کی حفاظت کرتا ہے۔ بہت طرح سے اُن کا دل خوش کرنا چاہتا ہے + جانوروں کے ایک میلہ میں شیرنی پنجرے سے نکل بھاگی ایک مہاوت کے پیچھے پڑی۔ وہ اپنے ہاتھی پاس گیا۔ ذرا اشارہ کیا کہ پیٹھ پر بٹھاؤ فوراً ہاتھی نے اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا۔ شیرنی یہ دیکھ کر کہ آدمی یوں بچ کے نکل گیا غصہ میں بھر آئی اور پیچھے ہٹ کر آدمی پر جھپٹا کر ایک دفعہ اور حملہ کیا۔ مگر ہاتھی نے اُس کو بیچ ہی میں آتے ہوئے دانتوں پر لیا ایک دیوار میں اڑا دیا۔ پھر تو شیرنی سے کچھ بن نہ پڑا دُم دبا کر بھاگی اور اپنے پنجرے میں جا گھسی + ایک صاحب پاس ایک ہاتھی تھا جب وہ جوان تھا تو اُس پر شیر کا شکار کھیلا کئے جب بوڑھا ہوا تو اُنھوں نے اپنے دو بچوں کی حفاظت اس کے سپرد کی ایک دن انھوں نے دیکھا کہ ہاتھی اور بچے دونوں گھر سے غائب ہیں۔ ان کی تلاش میں جب باہر گئے تو دیکھا کہ ان کے بچے بھی اور بوڑھا ہاتھی بھی مچھلی کا شکار

کھیل رہے ہیں جب ہاتھی نے ایک مچھلی پکڑی تو بڑا خوش ہوا۔ ایک لڑکے نے جب
مچھلی کانٹے سے جدا کرلی تو بنسی دریا میں ہاتھی نے نہیں پھینکی۔ بلکہ لڑکے پر چوگہ لگانے
کا تقاضا کیا۔ جب اس نے نہ سُنا تو وہ چوگے کا صندوق لے کر اُس کے باپ کے
پاس گیا اور ایک چنگھاڑ مار کر اپنا مطلب ادا کیا۔ مگر جب باپ نے بھی صندوق لے کر گھر جانے
کا ارادہ کیا۔ تو اس نے دریا میں سونڈ ڈبو کر پانی بھرا۔ اس کے پیچھے دوڑا۔ سارا پانی اُس پر
پھینکا۔ ناچار وہ دریا پر گیا۔ چوگا کانٹے میں لگایا تو ہاتھی نے خوشی خوشی مچھلی کا شکار شروع کیا

ایک ہاتھی کی آنکھوں میں خلل ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اُس کی آنکھ میں ایک
تیز دوا لگائی جس سے اس کو بڑی تکلیف ہوئی مگر آرام ہو گیا۔ اب ڈاکٹر صاحب
دوسری آنکھ میں دوا لگاتے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ ایسی حرکت نہ کر بیٹھے
کہ مجھے اپنا علاج کرنا پڑے مگر جب انھوں نے دوا لگانے کا ارادہ کیا تو ہاتھی
نے خود اپنا سر ڈاکٹر صاحب کے آگے کر کے دوا لگوائی +

ایک ہاتھی اپنے مہاوت کے بچے کو ایسا چاہتا تھا کہ جب اس کا پنگوڑا مہاوت
اُس کے آگے رکھ دیتا۔ تو وہ اُس کی مکھیاں جھل کر اُڑاتا تھا۔ جب بچہ
سونے سے جاگتا تھا۔ تو پنگوڑے کو ڈوری کھینچ کر ہلاتا اور پھر اُس کو سُلا دیتا

ایک دفعہ انگریزی سپاہ کا کوچ ہو رہا تھا۔ بھاری بھاری توپیں ایک
قطار میں ہاتھی کھینچ رہے تھے۔ ایک سپاہی توپ کے پہیہ کے سامنے
بیٹھا تھا۔ وہ نیند کے جھونکے میں آ کر نیچے گر پڑا +

قریب تھا کہ پہیہ اس کے اوپر سے گذر کر اس کو کچل ڈالے + اتنا وقت نہ تھا کہ کوئی اُس کو بیچ میں سے اُٹھا کر نکال لیتا۔ ہاتھی جو پیچھے تھا اس نے پہیہ کو سونڈ میں پکڑ کر اونچا کر دیا اور آدمی کو اُٹھا کر الگ رکھ دیا +

ایک صاحب لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں میں نے ہاتھی پر بہت سفر کیا ہے۔ اس پر بیٹھے بیٹھے نقشے کھینچے ہیں جب تک کہ میں اپنا نقشہ ختم نہ کر لیتا۔ ہاتھی اپنی جگہ سے ہلتا نہ تھا جس وقت مجھے اچھے اچھے آم کھانے ہوتے تو یہ ہاتھی اپنی سونڈ سے بہت اچھے آموں کی ڈالی توڑ کر دیتا۔ اگر میں اس کو کوئی آم کھانے کو دیتا تو تین دفعہ سونڈ اُٹھا کر مجھ کو سلام کرتا۔ درختوں کی ڈالیاں اگر رستہ میں ایسی آ جاتیں کہ میرے بدن پر لگتیں تو وہ اُن کو پہلے توڑ ڈالتا۔ یوں رستہ صاف کر کے چلتا۔ ہری بھری ڈالی توڑ لیتا۔ اُس کو اپنا پنکھا بناتا۔ اور مکھیاں اُڑاتا +

ناہموار راہ پر بھاری بوجھ لے کر ایک دفعہ ہاتھی کو چلنا پڑا۔ بہت زور مار کر کچھ چلا۔ اور پھر ٹھیر گیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آگے چلنا خطرے سے خالی نہیں۔ اس پر مالک نے مُنہ پھاڑ کر کہا کہ اس سُست کاہل ہاتھی سے کام نہیں نکلے گا کسی قوی زبردست ہاتھی کو لاؤ۔ یہ سُن کر ہاتھی کو بڑی غیرت آئی غصہ میں آ کر زور کیا اور بوجھ لے کر چل نکلا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اُس کی جان نکل گئی +

ہاتھی جب کسی پل پر چلتا ہے تو ایسا ہوشیار ہے کہ پہلے پاؤں یا سونڈ سے

دریافت کر لیتا ہی کہ پل میں اُس کے بوجھ سہارنے کی سکت بھی ہے یا نہیں جہاں اُسنے دیکھا کہ پل بودا ہی تو آگے نہیں چلتا جب مہاوت انکس مارتا ہے تو وہ چنگھاڑ مار کر پیچھے ہٹا جاتا ہی۔ اگر کوئی ظالم مہاوت مار دھاڑ کر آگے چلاتا ہی تو حظا پاتا ہے +

اونٹ

مثل مشہور ہی کہ اونٹ کی کوئی کل سیدھی نہیں گردن ہی تو لمبی بالس سی۔ اُس پہ سر اور چہرہ ہی تو چھوٹا سا۔ چہرہ پر آنکھیں ہیں تو اُن کے پپوٹے بھاری لٹکے ہوئے ہونٹ لمبے لمبے ڈول قد بے ڈھنگا ایسا اونچا کہ مثل مشہور ہی کہ اونٹ جب پہاڑ کے نیچے آتا ہی تو جانتا ہی کہ اونچا نہیں ٹانگیں لمبی لمبی۔ اُن میں پاؤں چوڑے چوڑے چرے ہوئے بال چھدرے۔ دُم چھوٹی۔ پیٹھ پر بیڈول سا کوہان کا کُب اُٹھا ہوا غرض کوئی چیز سڈول نہیں سب بھدی بے ڈھنگی مگر یہ سمجھنا نادانی ہی۔ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ ایشیا اور افریقہ کے جنگلوں اور اُن ملکوں کا جانور ہی جہاں پر ریت بہت اور پانی نہ یا دہ کم ہوتا ہی۔ جب لوگ ایسے ملکوں میں سفر کرتے ہیں تو اُن کو کوسوں تک ریتھ اور ریگستان ملتے ہیں پانی کا ایک قطرہ ملنا مشکل ہوتا ہی۔ دھوپ کی گرمی سے ہوا آگ ہوتی ہی۔ پھر اُن کے ساتھ ڈیرے خیمے ہوتے ہیں۔ تجارت کا اسباب ساتھ ہوتا ہی۔ اگر ایسے ملکوں میں یہ اونٹ نہ ہوتا اور اُس کا ایسا جسم نہ ہوتا تو ہرگز وہاں آدمی سفر اور تجارت نہ کرسکتا۔ اِس کے سارے عضا اِن ملکوں کے لئے مناسب ہیں۔ گردن لمبی ہونے سے وہ اُس کو جھکا کر زمین پر چر سکتا ہے

اُٹھا کر درخت سے پیٹ بھر سکتا ہے۔ سر چھوٹا نہ ہوتا تو گردن پر کیسے تھمتا۔ آنکھوں کے پپوٹوں کے بھاری اور لٹکے ہونے سے دھوپ کی تیز روشنی سے وہ اپنی آنکھوں کی حفاظت کر سکتا ہے۔ ہونٹ ایسے ہیں کہ وہ جھاڑیوں کے پتوں کو اچھی طرح پکڑ سکتا ہے۔ چھدرے چھدرے بال بدن کو دھوپ کی تیزی سے بچاتے ہیں اور بدن کو زیادہ گرم نہیں کرتے۔ پیر چوڑے چکلے ہوتے ہیں ان کے نہ سُم ہوتے ہیں نہ کھُر مگر ایک لچکدار گدّی سی پیر کی اُنگلیوں کے نیچے ہوتی ہے کہ جب وہ ریت پر پاؤں رکھتا ہے تو اس میں دھنستی نہیں بلکہ چوڑی ہو کر پھیل جاتی ہے۔ پھر ابھر کر سکڑ جاتی ہے۔ پیٹھ پر جو بے ڈول سا کوہان ہوتا ہے وہ چربی کا ایک پنڈ ہے جب وہ ایسے ریگستان میں منزلیں طے کرتا ہے جہاں خوراک کا قحط ہوتا ہے۔ تو اِس کی چربی گھل گھل کر اُس کے بدن میں جذب ہوتی ہے اور غذا بنتی ہے گویا وہ اپنے کوہان کو کھا کر جیتا ہے۔ اسی لیے عرب کے بدوؤں کو جب دور دراز بیابانوں کا سفر کرنا ہوتا ہے تو پہلے اونٹ کو کھلا پلا کر اُس کے کوہان کو موٹا تازہ کرتے ہیں۔ اونٹ کو جب کھانے کو ملتا ہے تو وہ بہت تھوڑا کھاتا ہے۔ نہ اچھے بُرے کی پرواہ کرتا ہے نہ کڑوے کسیلے مزہ کا خیال۔ کانٹے دار درخت اور جھاڑی اِس کو بہت بھاتی ہے۔ کھانے کا یہ حال ہے۔ اب پینے کا حال سُنئے کہ اُس کے معدے کے پہلو میں چھوٹے چھوٹے خانے ہوتے ہیں جب پانی ملتا ہے تو ان خانوں میں بھر لیتا ہے گویا پانی کی مشکیں پیٹ میں ساتھ لیے کر چلتا ہے۔ جہاں اُس کو

پانی کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہاں ایک مشک سے پانی نکال کر پی لیتا۔ بعض دفعہ ایسا اتفاق
ہوتا ہے کہ عربوں کو پانی نہیں ملا۔ پیاس کے مارے جب اُن کا دم نکلنے لگا۔ تو اونٹوں کو
ذبح کرکے اُن کے معدہ سے پانی نکالا اور پیا یوں اپنی جان کو بچایا۔ بھلا اب بتلاؤ کہ ایسے ملکوں میں
سوا اونٹ کے کون سفر کرسکتا ہے۔ اور کونسا جانور اتنے دنوں بن کھائے پئے
جی سکتا ہے۔ اگر گھوڑا وہاں لے جائے تو اُس کے سُم ریت میں ایسے دھنسیں کہ تھوڑی دور جاکے
وہ چل کر پھر قدم نہ اُٹھا سکیں گے۔ پھر کھائے پئے کہاں سے۔ اگر کھانا ساتھ لے
تو پانی کہاں سے پلائے۔ یہ اونٹ ہی میں خوبی ہے کہ پانچ چھ روز کا روزہ رکھتا ہے نہ
پانی پیے نہ دانا کھائے۔ برابر کڑی منزلیں طے کرتا چلا جائے۔ اونٹ بہت صابر اور
حلیم ہے۔ بہت آسانی سے اُس کی تربیت ہوسکتی ہے۔ ایک نکیل (مہار) اس کی ناک میں
ڈال دیجیے۔ اُسی کے اشارے پر زمین پر بیٹھ جاتا ہے۔ کھڑا ہوتا ہے۔ شتر بے مہار آزاد ہوتا
ہے۔ چار من سے لے کر چھ من تک بوجھ اُس پر لادتے ہیں۔ گو لادتے وقت بڑبڑاتا ہے۔ مثل مشہور
ہے کہ اونٹ بڑبڑاتے ہی لدتے ہیں۔ کھڑے ہوتے پر بھی ایک شتر غمزہ ایسا کرتا ہے کہ اگر بوجھ
اچھی طرح نہ بندھا ہو تو گر پڑتا ہے۔ مگر بوجھ لے جانے میں گو اُس کو تکلیف ہی ہوتی ہو جی
نہیں چراتا۔ وہ بڑا ہمت والا جانور ہے کبھی سختی اُٹھانے میں اس کا جی کچا نہیں ہوتا
وہ اپنی ہمت نہیں توڑتا بلکہ پانی اور سبزہ کی خبر دے کر مسافر کی ہمت بندھوا دیتا
ہے۔ ہندوستان میں باربرداری کے لئے سندھ کے اونٹ خوب کام دیتے ہیں
وہ آٹھ گھنٹہ ریگستان میں پانچ من بوجھ لے کر ڈھائی میل کی رفتار سے گھنٹے میں چل سکتے ہیں

ریگستان ایک ریت کا سمندر ہوتا ہے اونٹ اس سمندر کا جہاز ہے جیسے سمندر کے اندر کہیں جہاں کوئی
بٹیا ہوتی ہے نہ سڑک جہاز میں مسافر بیٹھتے ہیں اور اسباب تجارت لاتے ہیں ایسے ہی کام ریگستانوں میں
جہاں کوئی راستہ بنا ہوا نہیں ہوتا۔ اونٹ پر کرتے ہیں اسی لئے اونٹ کا نام جہاز بری خوب ہی موزوں
ہے اہل عرب اور افریقہ اس کا دودھ پیتے ہیں گوشت کھاتے ہیں بالوں کا کپڑا بنتے ہیں یا رسی
رسیاں بٹتے ہیں۔ اونٹ کو جب تیار کر کے سانڈنی یا سانڈ بناتے ہیں تو فی گھنٹہ آٹھ سات میل وہ چلتا ہے
رجپوتانہ کی سانڈنیوں کو ساٹھ کوس چلنا کوئی بات نہیں بشرطیکہ کیچڑ پانی میں چلنا پڑے
جیسے ریت میں اونٹ کے پاؤں دھنستے نہیں ایسے کیچڑ میں پھنس جاتے ہیں بے ڈھب طور
سے اس کو گرا دیتے ہیں۔ اگر اونٹ کو مار دیا چھیڑو تو وہ سرکش اور مگرا ہو جاتا ہے
مارنے والے سے اپنا عوض مدتوں میں لیتا ہے۔ اس لئے شتر کینہ اُس آدمی کو
کہتے ہیں کہ جس کے سینہ میں کینہ مدتوں رہتا ہے۔ اور اپنا بدلہ موقع پا کر لیتا ہے
ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک لڑکا اونٹ ہانکتا تھا جب وہ ہلکے ہلکے چلتا تو زور زور سے
ٹھونکتا تھا۔ بہت دنوں کے بعد اس لڑکے کو اُس اونٹ سے پالا پڑا۔ اور وہ
اکیلا اُس کو میدان میں لے گیا۔ تو اونٹ نے ادھر اُدھر دیکھا کہ کوئی یہاں اور تو
نہیں ہے جب میدان صاف دیکھا تو لڑکے کا ٹینٹوا دبا کر مار ڈالا۔

ایسے ہی ایک دفعہ اور ایک لڑکے کو اس نے منہ میں پکڑ لیا تھا کہ آدمی جمع ہو گئے
۔ وہ لڑکے کو کسی طرح نہیں چھوڑتا تھا۔ ایک آدمی نے اُس کی گردن تلوار سے
اڑائی تو لڑکے کی جان بچائی۔

کوہ ہمالہ

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب

ہے یہ ہمالہ پہاڑ سرجیون | جس کے اوپر تلے کھڑا ہے بن
بیل بوٹوں سے بن رہا ہے چمن | سبز چوٹی ہرے بھرے دامن
ہے ہر اک ڈھانگ اس کی پھلواری | سرد چشمے جہاں تہاں جاری
لالہ خودرو ہے اور اس کے پاس | نرم و نازک طرح طرح کی گھاس
سیکڑوں قسم کے ہیں پھول کھلے | پیڑ گنجان سایہ دار ملے
سرو شمشاد ہیں قطار قطار | ریچھ پھرتے ہیں بن کے چوکیدار
کہیں بن مالنا ہے البیلا | کہیں اخروٹ اور کہیں کیلا
سال کا کیا ہی خوب جنگل ہے | سورماؤں کے بن کا دنگل ہے
ہیں چٹانوں پہ کودتے لنگور | نیچے پھرتی ہے ہاتھیوں کی قور
شیر خونخوار شاہ ہے یہاں کا | باڑھے چیتل کو خوف ہے جاں کا
بارہ سنگھے [illegible] | سینگ ہیں اس کے جھاڑ اور جھنکاڑ
وہ جو ہے ہند کا بڑا ساگر | وہاں سے اٹھتا ہے ابر کا لشکر
کوچ در کوچ روز بڑھتا ہے | پھر ہمالہ پہ آن چڑھتا ہے
کبھی وہ مینہ کا باندھتا ہے تار | کبھی کرتا ہے برف کی بھرمار
جا چڑھا یوں پہاڑ پہ پانی | کی ہے قدرت نے کیا ہی آسانی
وہاں سے چشمے بہت ابل نکلے | ندی نالے ہزار چل نکلے

سندھ و ستلج ہیں مغربی دریا | اور پورب میں میگھنا گنگا
ہیں یہ دریا بہت بڑے چاروں | جن میں بہتا ہے پانی الغاروں
پس سمندر سے جو رسد آئی | یوں ہمالہ نے سب کو پہنچائی
ہوا سرسبز ہند کا میدان | تیری حکمت کے اے خدا قربان
ہند کی سرزمیں ہے اَن داتا | اور ہمالہ پہاڑ جل داتا
اے ہمالہ پہاڑ تیری شان | دنگ رہ جائے دیکھ کر انسان
ساری دنیا میں ہے تو ہی بالا | پہنچے جب پاس دیکھنے والا
سامنے اک سیاہ دل بادل | دیو کی طرح سے کھڑا ہے اٹل
گھاٹیاں جن میں گونجتی ہے صدا | آبشاروں کا شور ہے برپا
دبدبہ اپنا تو دکھاتا ہے | گویا میدان کو ڈراتا ہے
ہے مرے دل میں شوق چرّاتا | کاش چوٹی پہ تیرے چڑھ جاتا
وہاں سے نیچے کا دیکھتا میداں | جس میں گنگ و جمن ہیں تیز رواں
دو لکیریں سی وہ نظر آتیں | دہنے بائیں کو صاف لہراتیں
اس تماشے سے جبکہ جی بھرتا | میں شمالی طرف نظر کرتا
دیکھتا دور برف کے ٹیلے | نظر آتے سفید چمکیلے
شام کو دیکھتا بہار بڑی | گویا سونے کی ہے فصیل کھڑی
پھر وطن میں جب آن کر رہتا | دوستوں سے یہ ماجرا کہتا

گدھ

دیکھو گاؤں کے باہر کھیت میں بیچارہ بیل مرا پڑا ہے۔ گدھ لپک لپک کر اُس پر دوڑ رہے
ہیں کوئی آنکھیں نکال نکال کر کھاتا ہے۔ کوئی بدن کی بوٹیاں نوچ نوچ کر نگلتا ہے۔ وہ نہ
کسی کو سینگ مار کر ہٹاتا ہے۔ نہ دم ہلا کر ڈراتا ہے۔ نہ جانتا ہے کہ یہ مکروہ گھناونی شکل کے
مردار اُس کے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ کھائے چلے جاتے ہیں کسی طرح بس نہیں کرتے۔ ابھی
کھا کر اُٹھے تھے کہ پھر آن بیٹھے۔ ان سے زیادہ بدصورت جانور بھی کم ہوں گے۔
پھٹے پھٹے دیدے گنجے سر۔ قد اونچے۔ پر میلے کچیلے جب ان کو مردار گوشت
نہیں ملتا۔ تو وہ مرغی اور خرگوش اور بکری بھیڑ کے بچے شکار کر کے اپنے گھونسلوں میں
لے جاتے ہیں آپ کھاتے ہیں اور بچوں کو کھلاتے ہیں ایک شخص نے یہ مان کر کہ میں
جانوروں کی بولیاں سمجھتا ہوں یہ نقل لکھی ہے۔ ایک پہاڑی پر بوڑھی گدھ بیٹھی تھی اور
اپنے بچوں سے یہ باتیں بنا رہی تھی کہ میرا کام رات دن تم دیکھتے ہو کہ میں کیونکر مردار کھاتی
ہوں زندہ جانوروں کو شکار کرتی ہوں یہ کام تم کو خود بھی کرنے آتے ہیں۔ مگر تم کو
یہ نہیں معلوم کہ آدمی کیسا ہوتا ہے اور اس کا مردار گوشت مجھے کیونکر ہاتھ
لگتا ہے۔ بچوں نے کہا کہ آپ اور جانور تو پکڑ کر اپنے گھونسلے میں لائی ہیں ہم نے
دیکھا ہے۔ مگر آدمی کا شکار کبھی نہ آپ لائیں نہ ہم جانیں کہ وہ کیسا ہوتا ہے۔ آپ اُس کو
ضرور لائیے اُس کے مزہ دار گوشت کی دعوت ہماری کیجیے۔ ماں نے کہا کہ آدمی ایسا بھاری
ہوتا ہے کہ میرے بس کا نہیں کہ اسے پکڑ کر اُٹھا لاؤں ہاں تو اُس کے بدن سے گوشت نوچ

لاتی ہوں۔ ہڈیاں چھوڑ آتی ہوں۔ بچوں نے کہا جب آپ سے بڑا ہے تو آپ اِس کو کس طرح مارتی
ہوں گی۔ گوشت نوچتی ہوں گی۔ ریچھ بھیڑئیے سے تو آپ کا دم نکلتا ہے۔ کیا آدمی اُن
سے بھی گیا گذرا ہے۔ ماں نے کہا نہیں بیٹا۔ آدمی میں تو وہ عقل و ہوش ہے کہ وہ میری مار کیا
کھائے گا۔ مجھ سے بڑے بڑوں کو مار ڈالتا ہے۔ اگر خدا اُس کا دل اور جانوروں سے بھی زیادہ
بے رحم و بے درد نہ بناتا۔ تو ہم کو اُس کا گوشت کھانا خواب میں بھی نہیں میسّر ہوتا۔
آدمی آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوتے ہیں۔ اُن کے لشکروں کی چڑھائیاں
ایک دوسرے پر ہوتی ہیں۔ پھر ایک قیامت برپا ہوتی ہے۔ توپوں کی دنادن زمین
کو سر پر اُٹھا لیتی ہے۔ بندوقوں کی باڑیں چھوٹ کر ہزاروں آدمیوں کا ستھراؤ کرتی ہیں۔
خون کے ندی نالے بہاتی ہیں۔ ہماری دعوت کے لئے سُرخ دسترخوان پر سروں کے پیالے
سینوں کی سینیاں چُنتے ہیں۔ ہم اُس پر بیٹھ کر مہینوں تک روز خوب پیٹ
بھر کر کھایا کرتے ہیں۔ بچوں نے کہا یہ کیا کہ آدمی آدمیوں کو مارے پھر
اُن کا گوشت خود نہ کھائے ہمارے آگے کھانے کے لئے رکھ دے اور
شکاری جانوروں کا تو یہ دستور ہے کہ شکار کر کے پہلے وہ اپنا پیٹ بھرتے ہیں بچا کھچا
اوروں کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ ماں بولی کہ یہ آدمی میں وصف ہے کہ جان نکالے اور
اُس کے گوشت پر تھوکے بھی نہیں اسی سبب سے وہ ہماری پرورش کرتا ہے۔ اپنے
گوشت کی ہماری خود دعوت کرتا ہے۔ بچوں نے کہا آدمی کی عقل کہاں گئی ہے کہ وہ یہ ناحق
کا خون اپنے سر پر لیتا ہے۔ اور گوشت کو زبان تک نہیں لگاتا۔ اگر

کسی جاندار کو ہم ماریں تو ضرور اُس کا گوشت کھائیں گدھے نے کہا کہ میں اُس کا سبب تو جانتی نہیں مگر میں نے اپنے بعض بزرگوں کی زبانی یہ سُنا ہے کہ آدمی حیوانات میں نہیں ہیں بلکہ نباتات سے ہیں جو چلتے پھرتے رہتے ہیں جیسے ہوا کے چلنے سے درختوں کے پھل نیچے گرتے ہیں اُسے کھا پی کر بعض جانور موٹے تازے ہو جاتے ہیں ایسے ہی آدمی جب چل پھر نہیں سکتے ان کو ہم کھا لیتے ہیں ایک اور عقلمند گدھ کی یہ رائے ہے کہ انسانوں میں ایک شخص ایسا ہوتا ہے کہ جب اُس کے بہت سے آدمی محکوم ہوتے ہیں تو اس کا دل کشت و خون ہی سے خوش ہوتا ہے پس ایسا شخص حقیقت میں آدمیوں کا دشمن اور ہمارا بڑا مہربان دوست ہوتا ہے اپنے گوشت کی ایسی دعوت کرتا ہے کہ جتنا جی چاہے کھائے چلے جاؤ +

اے لڑکو تم یہ نہ سمجھنا کہ جہاں جانوروں کی بول چال میں حکایتیں لکھی ہیں وہ حقیقت میں بولتے چالتے ہیں اُن میں نطق نہیں ہوتا۔ وہ چند آوازیں اپنے کھانے پینے۔ دُکھ سُکھ کے بتلانے کے لئے نکال سکتے ہیں نہ کوئی آدمی ان کی بولی سمجھتا ہے یہ ساری حکایتیں یوں مان کر لکھی جاتی ہیں کہ اگر جانور گویائی رکھتے اور آدمی اُن کی بولی سمجھتے۔ تو وہ باتیں کرتے جو حکایت میں لکھی گئی ہیں +

گینڈا

گینڈا بھی عجیب بینڈا بینڈا جانور ہے۔ بڑا ہی بدشکل ہوتا ہے مگر قوی ہیکل پاؤں اور پچھلا دھڑ اُس کا ہاتھی کا سا۔ گردن اُس کی لمبی گٹھی ہوئی شیر کی سی۔ آنکھیں کان مُنہ بیل کی سی۔ یوں ایک شکل میں تین جانوروں کی جھلک دکھاتا ہے۔ اس کے ماتھے پر ایک یا دو کھاگ دو تین فیٹ کے قریب لمبے ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں اکبر ہی

گھاگ کا گینڈا ہوتا ہے۔ وہ بڑا سخت ٹھوس ہوتا ہے۔ اسی سے وہ درختوں کی جڑیں کھود کر
کھاتا ہے۔ وہ گوشت نہیں کھاتا اس لیے کسی کو نہیں ستاتا چپ چاپ گھنے جنگلوں میں پڑا
رہتا ہے۔ جب کوئی دشمن اُس کو آن کرتا ہے تو وہ اپنے تئیں بچاتا ہے اور اس کو چیر پھاڑ
ڈالتا ہے۔ بڑے شہ زور جانور بھی اس پر حملہ کرتے ڈرتے ہیں۔ **اشعار**

جہاں ہو وہ ہاتھی کا کب ہو گذار	کرے شیر سایہ سے اُس کے فرار
غضب سے اگر مارے وہ اپنا گھاگ	جو ہوں کوہ کے پاؤں تو جائیں بھاگ

گو جسم لدھڑ اور بھدا ہے۔ ٹانگیں چھوٹی اور بدنما ہیں۔ مگر غصہ میں آن کر وہ گھوڑے
سے کم نہیں چلتا۔ کوئی چیز اُس کی راہ کو روک نہیں سکتی جنگلوں میں درختوں کو چیرتا
پھاڑتا۔ جو چیز آگے آئے اُسے پرے ہٹاتا ایسا جاتا ہے کہ ایک بٹیا درختوں کی ٹہنیوں اور
پتوں سے پٹی ہوئی بنا دیتا ہے۔ اُس کی کھال دانہ دار بے بالوں کی ایسی سخت اور موٹی
ہوتی ہے کہ جسم پر کوئی آفت نہیں آنے دیتی۔ بندوق کی دور کی گولی کو اندر جانے
نہیں دیتی۔ تیر کو چبھنے نہیں دیتی۔ غرض کوئی ہتیار اس پر کارگر نہیں ہوتا ہے مگر ہاں بندوق میں
دگنی بارود بھر کے اُس کے پاس سے گولی چھوڑیے تو کچھ اثر ہوتا ہے۔ گینڈے کی ڈھال مشہور ہے کہ
اس پر تلوار نہیں اثر کرتی۔ کھال تہ بہ تہ اس پر چڑھی ہوتی ہے سب سے نیچے کی تہ نرم ہوتی ہے
اس کو مکھیاں اور کیڑے مکوڑے بڑی تکلیف دیتے ہیں اُن سے بچا چھڑانے کے لیے وہ
کیچڑ میں لوٹتا ہے۔ اور خوب لتھڑ پتھڑ اپنے تئیں کر لیتا ہے۔ اور خشک ہو کر ایک تہ کیچڑ کی
اپنے اوپر جما لیتا ہے۔ کہ پھر اس پر کیڑے اور مکھیوں کا وار نہیں چلتا گوشت بڑا لذیذ ہوتا ہے

اور اس کی کھال کا چمڑا بہت سخت اور مضبوط ہوتا ہے اور وہ بہت کام آتا ہے۔ اس کا کھاگ بھی
اچھے ہاتھی دانت کی برابر ہوتا ہے۔ پانی پینے کے پیالے اس کے خوب بنتے ہیں اور چیزیں بھی بنتی
ہیں۔ ان فائدوں کے لئے آدمی اُس کا شکار کرتا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شکاری گھوڑے پر
سوار تھا اُس نے ایک گولی گینڈے کے ماری۔ وہ گولی کھا کر بھاگا نہیں بلکہ سوار کے پیچھے
پڑا۔ اس کے خوف سے گھوڑا بگڑا۔ اُس نے پاس آن کر اپنا سر نیچا کیا۔ اور گھوڑے
کی پسلی میں اپنا کھاگ ایسا گھسایا کہ وہ زین کے پار ہو کر صاحب کی ران
میں جا کر چُبھا۔ اِس صدمہ سے گھوڑا گر پڑا۔ جلد مر گیا۔ شکاری کے گرنے کا بھی
دھماکا ہوا۔ گینڈا اپنے جنگل کو چلا گیا۔ اگر وہ یہ سمجھ کر چلا گیا کہ گھوڑا اور سوار دونوں
مر گئے تو اُس نے بڑا دھوکا کھایا۔ یہ نہ جانا کہ میری جان کا دشمن بے جان نہیں ہوا۔
بلکہ میری جان لینے کو آتا ہے۔ شکاری کا چہرہ گو خون میں لت پت تھا۔ مگر وہ
اِسی حال میں اپنے ہمراہی کا گھوڑا مانگ کر سوار ہوا۔ گینڈے کے پیچھے پڑا۔
آخر کو یہ جانور بے جان ہو کر اُس کے پاؤں کے نیچے آن پڑا۔

شکاری پرند

شکاری پرند وہ کہلاتے ہیں کہ اور پرندوں کا یا چھوٹے اور جانوروں کا
شکار مار کے کھاتے ہیں۔ ان میں باز۔ جُرّہ۔ شاہیں۔ شکرہ۔ بہت مشہور ہیں۔
بادشاہ اور امیر اُن کو بڑے شوق سے پال کر پلاتے ہیں اپنے ہاتھوں پر اُن کو بٹھاتے
ہیں اُن کے سروں اور آنکھوں پر ٹوپیاں بڑی تکلّف کی پہناتے ہیں یہ بھی ایک کھیل

بیکاروں کا ہے۔ کہ جنگلوں میں گھوڑوں پر سوار ہو کر جاتے ہیں ان پرندوں کو ساتھ
لے جاتے ہیں جن پرندوں کا شکار کرنا چاہتے ہیں اُن پر اپنے پلے ہوئے شکاری
جانوروں کے سر پر سے ٹوپی اُٹھا کر چھوڑ دیتے ہیں وہ جھٹ پٹ ان کو دبوچ کر زمین پر
لے بیٹھتے ہیں یہ خوشی خوشی ان کا شکار اپنے تصرف میں لاتے ہیں نمک مرچ لگا کر
کھاتے ہیں مگر جب سے گولی بندوق کا رواج ہوا ہے یہ شوق شکاری پرندوں کے پالنے کا
کم ہو گیا ہے افسوس ہے کہ اب تک بعض امیرزادے ان جانوروں کے پیچھے ایسے جانور
بن جاتے ہیں کہ سوا اس شکار کے اور کوئی کام کرنا پسند نہیں آتا۔ اِس لئے لوگ کہتے
ہیں کہ شکار کار بیکاراں است۔ باز مختلف قد و قامت کے ہوتے ہیں بعض قسم کے ایسے
بھی ہوتے ہیں کہ اُن کو شہد کی مکھیاں اور بھڑیں بہت بھاتی ہیں وہ انھیں مار مار کر
کھاتے ہیں ان کے ڈنکوں کا زہر اُن کو میٹھا لگتا ہے۔ ذرا نہیں ستاتا۔

باز کے بازو لمبے اور طاقتور ہوتے ہیں اس سبب سے اس کی پرواز ایسی تیز ہوتی
ہے کہ کھلے میدانوں میں تو کوئی پرند اُن کے پنجے سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔ مگر ہاں درختوں
اور جھاڑیوں میں وہ بچ کر نکل جاتے ہیں۔ باز جب کسی پرند کو شکار کرتا ہے تو اُن کے اوپر
اول اونچا ہوا میں اُڑتا ہے اور پھر جھپٹا مار کر زمین پر شکار کو لاتا ہے۔ باز کا بچہ لے کر پالو تو
وہ ایسا ہل جاتا ہے کہ کبوتروں کے ساتھ اُڑتا ہے۔ مرغی کے بچوں کے ساتھ رہتا ہے
کچھ آزار نہیں پہنچاتا ہے۔ ایک دفعہ ایسے پلے ہوئے باز کے نیچے مرغی کے انڈے بٹھائے
جب بچے نکل آئے تو باز نے اپنے ہی بچوں کی طرح ان کی پرورش میں کوشش کی

عقاب اُن شکاری جانوروں میں سب سے زیادہ مہیب اور غضبناک ہی۔ کوئی پرند اُس
کی برابری نہیں کرسکتا جیسا شیر درندوں کا بادشاہ ہی ایسا ہی عقاب پرندوں کا بادشاہ ہی
اِس کے پنجے بڑے مضبوط ہوتے ہیں اِس کے بازو اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ وہ اُن جانوروں کو
لے کر اُڑتا ہی جو اُس سے وزن میں بھاری ہوتے ہیں خرگوش اور بھیڑ کے بچوں کو اُٹھا کر لے جانا
تو ایک بات ہے اگر اِس کا قابو بنے تو وہ آدمی کے چھوٹے بچوں کو جھپٹا مار کر لے جاتا
ہے پانی کے اوپر مچھلیاں اگر اُسے مل جائیں تو پکڑ لیتا ہے اپنے تیز پنجوں سے چیر پھاڑ
ڈالتا ہی ہرن کی برابر جانوروں کو بعض اوقات شکار کرتا ہی۔ دفعۃً وہ بڑی بلندی سے اُن پر آن پڑتا
ہے پہاڑوں پر ہرن کا یوں شکار کرتا ہی کہ اپنے پنجوں میں اُس کا سر پکڑ لیتا ہی اور بازوؤں
کو پھڑ پھڑا کر اُس پر مارتا ہی جس سے ہرن ڈر کر چھلانگیں مارتا ہی اور پہاڑ کی کسی کھوہ میں
گر پڑتا ہے اور مر جاتا ہی عقاب اُسے کھا جاتا ہے +

کبھی عقاب ایسے جانوروں کو پکڑ لیتا ہی کہ وہ اِس کی جان کے لئے عذاب ہو جاتے ہیں
ایک دفعہ بلّی کو اپنے پنجوں میں پکڑ کر اُڑا۔ بلّی نے بھی اپنے پنجوں اور دانتوں کا زور وہ
عقاب کو دکھایا۔ کہ اُس کو اپنا پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا۔ ناچار اُس نے بلّی کو چھوڑا۔ مگر
بلّی اِس سے ایسی چمٹی کہ آخر کو اپنے ساتھ لے کر زمین پر گری۔ جو لوگ یہ تماشا دیکھ رہے
تھے وہ دوڑے گئے۔ اور دونوں کو پکڑ لیا + ایک دفعہ کسان کا چھوٹا لڑکا
اپنے باپ کے ساتھ کھیت میں بیٹھا ہوا تھا۔ درانتی سے جس طرح باپ
کھیت کاٹتا تھا۔ یہ بھی درانتی ہاتھ میں لے کر اُس کی نقل اتار رہا تھا۔ کہ دفعۃً

عقاب نے اِس پر جھپٹا مارا۔ لڑکے نے بھی یہ دلیری کی کہ درانتی اِس پر کھینچ ماری۔ اتفاق سے عقاب کے ایسی لگی کہ اُس کی جان ہی گئی +

ماباپوں کا ادب

اے لڑکو تم کو عمر بھر اپنے ماباپوں کا احسان نہیں بھولنا چاہیے جب تم پیدا ہوئے تھے۔ تمھاری عجب حالت تھی۔ اتنی طاقت نہ تھی کہ کروٹ لے سکتے چل پھر سکتے نہ اتنی سمجھ تھی کہ اپنی اچھی بُری سمجھ سکتے۔ یا کوئی اپنے چین آرام کا سامان مہیا کر سکتے اِس بے کسی کی حالت میں تم کو ماباپوں نے پالا پوسا ہے اور سیکڑوں تکلیفیں اور رنج اُٹھا کر تم کو اتنا بڑا کیا ہے۔ ماں نے کس پیار اور محبت سے اپنی چھاتی سے لگا کر تم کو اپنا دودھ جو حقیقت میں اُس کا خون تھا پلایا ہے۔ پہروں گود میں کھلایا ہے چھاتی اور رانوں پر سلایا ہے جھولے میں لٹایا ہے گھڑی گھڑی اس کی توری بلائیں لی منہ چوما کم زبان چوسائی ہے۔ تمھارے سکھ کے لئے اپنے دکھ کا ذرا خیال نہ کیا اگر تم بیمار ہوئے تو تمھاری دوا درمن میں تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ کھانا پینا سب بھول گئی۔ جب تم کو آرام ہوا تو اُس کی جان میں جان آئی۔ باپ کو دیکھو اُس نے صبح سے شام تک محنت کی۔ چار پیسے کما کر گھر لایا۔ تم کو اپنے سے اچھا کھلایا پہنایا۔ اچھے طریقوں پر چلایا۔ روٹی کما کھانے کا کوئی ہنر پیشہ سکھایا۔ غرض ماباپوں کی شفقت خدا کی محبت کا نمونہ ہے۔ اُن کے حقوق جو تم پر ہیں وہ ان احسانوں کا معاوضہ ہے جو تم پر اُنھوں نے بچپنے میں کئے ہیں۔ ہم کسی طرح ادا کر کے ادا نہیں ہو سکتے۔ جس سعادت مند اولاد کو خدا توفیق دیتا ہے وہ اپنے ماباپوں کے احسانوں کے قرض

ادا کرنے کو اپنے اوپر فرض سمجھتی ہے۔ خدا کے حکم کے بعد اُنھیں کے حکموں کو مانتی ہے۔ ذرا اُن کے
کہنے سے باہر نہیں چلتی۔ اُن کے اشاروں پر کام کرتی ہے۔ اُن کے ارشاد کی منتظر رہتی ہے
اگر کبھی وہ اُن پر خفا ہوتے ہیں تو ذرا چین نہیں ہوتی ہاتھ جوڑ کے پاؤں پڑ کے قصور و
خطا معاف کراتی ہے۔ اور دل میں یقین کرتی ہے کہ کوئی ہم سے ضرور خطا ہوئی ہے جو
یہ خفگی اور گھر کی جھڑکی ہم پر پڑتی ہے۔ وہ محض ہماری نصیحت کے لئے ہے۔
یا کسی اپنے رنج و تکلیف کے سبب سے اتفاقاً اُن کا مزاج چڑچڑا ہو گیا ہے۔ جو ہم
پر یہ غصہ ہوا ہے۔ جو ہزاروں دفعہ پیار کرتے ہیں اگر ایک دفعہ غضب ہو گئے
تو کیا غضب ہو گیا۔ وہ اُن کی کسی بات کی ہنسی نہیں اُڑاتی۔ اُن کی گستاخی
اور بے ادبی کے پاس نہیں جاتی۔ ایسی اولاد کے والدین عاشق زار ہوتے ہیں۔

بعض اولاد وہ سرکش اور آوارہ ہوتی ہے کہ وہ ماباپوں کو سمجھتی ہی نہیں کہ یہ کون ہیں
نہ وہ ماں کا ادب کرے نہ باپ کا لحاظ۔ کھیل کی دیوانی ہوتی ہے۔ سارے دن
خاک اُڑاتی ہے۔ ماباپ اگر خفا ہوئے۔ مار دھاڑ سے رو دھوئے پھر ویسے کے ویسے
چکنے گھڑے بوند پڑی پھسل گئی۔ کام کے نام سے کوسوں بھاگتی ہے نکمی رہنے کو
اپنا آرام سمجھتی ہے۔ آخر عمر میں پچھتاتی ہے کہ ہائے اپنی عمر یونہیں گنوائی۔ کچھ
دولت نہ کمائی۔

بعض لعنت کی ماری اولاد ایسی ہوتی ہے کہ ماباپوں کی خدمت باوجود مقدرت کے
کچھ نہیں کرتی۔ آپ تو نگر دولتمند ہے۔ ماباپ کوڑی کوڑی کو ترستے ہیں آپ خود

عمدہ عمدہ کھانے کھاتی ہے۔ ماباپ کو روکھی سوکھی روٹی نمک مرچ کی چٹنی نہیں دیتی۔ خود دوشالے اوڑھتی ہے اور ٹاٹ باقی زردوزی جوتیاں پہنتی ہے۔ ماباپ چیتھڑے لگائے لیتھڑے پہنے پھرتے ہیں۔ آپ بڑے بڑے عالیشان مکانوں میں جھاڑ فانوس روشن کیے بیٹھی ہے۔ ماباپ سڑے جھوپڑے میں اندھیرے میں پڑے ہیں۔ ادھی کوڑیاں پاس نہیں کہ چراغ میں تیل جلائیں خدا ایسی اولاد سے سب کو بچائے ؂

بارش کا پہلا قطرہ

گھنگھور گھٹا تلی کھڑی تھی — پر بوند ابھی نہیں پڑی تھی

ہر قطرہ کے دل میں تھا یہ خطرہ — ناچیز ہوں میں غریب قطرہ

تر مجھ سے کسی کا لب نہ ہوگا — میں اور کی گوں نہ آپ جوگا

کیا کھیت کی میں بجھاؤں گا پیاس — اپنا ہی کروں گا ستیاناس

آتی ہے برسنے سے مجھے شرم — مٹی پتھر تمام ہیں گرم

خالی ہاتھوں سے کیا سخاوت — پھیکی باتوں سے کیا حلاوت

کس برتے پہ میں کروں دلیری — میں کون ہوں کیا بساط میری

ہر قطرہ کے دل میں تھا یہی غم — سرگوشیاں ہو رہی تھیں باہم

کھچڑی سی گھٹا میں پک رہی تھی — کچھ کچھ بجلی چمک رہی تھی

اک قطرہ کہ تھا بڑا دلاور — ہمت کے محیط کا شناور

بولا للکار کر کہ آؤ — میرے پیچھے قدم بڑھاؤ

کر گذرو جو ہو سکے کچھ احسان ۔ ڈالو مردہ زمین میں جان

یارو یہ اگر مگر کہاں تک ۔ اپنی سی کر دیئے جہاں تک

مل کر جو کرو گے جان فشانی ۔ میدان پہ پھیر دو گے پانی

کہتا ہوں یہ سب سے برملا میں ۔ آتے ہو تو آؤ لو چلا میں

یہ کہہ کے وہ ہو گیا روانا ۔ دشوار ہے جی پہ کھیل جانا

ہرچند کہ تھا وہ بے بضاعت ۔ کی اس نے مگر بڑی شجاعت

دیکھی جرأت جو اس سخی کی ۔ دو چار نے اور پیروی کی

پھر ایک کے بعد ایک ٹپکا ۔ قطرہ قطرہ زمیں پہ ٹپکا

آخر قطروں کا بندھ گیا تار ۔ بارش لگی ہونے موسلادھار

پانی پانی ہوا بیاباں ۔ سیراب ہوئے چمن خیاباں

تھی قحط سے پائمال خلقت ۔ اس مینہ سے ہوئی نہال خلقت

جرأت قطرہ کی کر گئی کام
باقی ہے جہان میں آج تک نام

ڈیزی پھول

ایک قصبہ تھا۔ اس کی سڑک پر تھوڑی دور ایک جھونپڑی پڑی تھی۔ اس کے سامنے ایک چھوٹا سا باغ تھا۔ اس کے گرداگرد جھاڑی کی باڑ لگی ہوئی تھی۔ اس کے باہر لمبی لمبی گھاس کھڑی تھی۔ گھاس میں ایک ننھا سا پیڑ اگا۔ جس کا نام

ڈیزی تھا۔ دھوپ جیسی اور خوبصورت پھولوں پر پڑتی ہے اور اُن کو بڑھاتی ہے ایسے
ہی اُس پر پڑتی تھی اور ہر گھنٹے میں اس کو کچھ نہ کچھ بڑھاتی تھی۔ تھوڑے دنوں میں بڑھ کر
وہ تو خاصہ درخت ہو گیا اُس کا پھول وہ نکلا جس کی بیچ کی زردی کے گرد
سفید پتیاں یہ معلوم ہوتی تھیں کہ سورج کے گرد کرنیں نکل رہی ہیں اس پر بھی وہ
اپنے تئیں ناچیز سمجھتا تھا۔ جانتا تھا کہ اس میں کون مجھے پوچھے گا۔ اور خوب صورت
نازک پھول کب اپنے پاس جگہ دیں۔ میں ہمیشہ یہاں اکیلا تنہا پڑا رہوں گا مگر
اس پر بھی میں اپنے تئیں بڑا خوش نصیب اور صاحب اقبال سمجھتا ہوں کہ
میرے دیکھنے کے لئے آفتاب جہانتاب موجود ہے۔ سننے کے لئے ہوا
میں چنڈول کے نغمے ہیں۔ میری لوسے اور بلائیں لینے کے لئے ہوا حاضر
ہے۔ دھوپ میری خدمت کرنے کے لئے کمربستہ کھڑی ہے + باغ کے
اندر ایک تختہ گل مہندی کے پھولوں کا تھا وہ اپنی رنگتوں کے ناز میں اکڑے
جاتے تھے۔ ایک تختہ گیندووں کے پھولوں کا تھا وہ اپنی نزاکت کے غرور سے منہ پھلائے
ہوئے تھے اور گلاب اپنے تئیں ڈیل ڈول میں بڑا جانتے تھے۔ مگر یہ نہیں سمجھتے تھے کہ
کچھ ڈیل ڈول کا بڑا ہونا تو ساری خوبیاں نہیں پیدا کرتا۔ ان پھولوں میں بھڑک تھی۔ مگر
مہک نہیں تھی۔ اس بیچارے ڈیزی کو یہ پھول کب خاطر میں لاتے تھے اور اپنے
غرور کے سبب نظر اٹھا کر اسے کب دیکھتے تھے + مگر وہ غریب ان سب کو دیکھتا اور کہتا
کہ ان میں خوب صورتی نزاکت اور ترو تازگی ساری خوبیاں موجود ہیں —

انھیں پر خوش آواز جانور بیٹھ کر چہچہانے لگائیں گے مجھے کب یہ لگائیں گے۔ مگر اُس نے دیکھا
کہ ایک خوش نوا پنڈول اُڑتا اُڑتا آیا۔ اور کسی خوبصورت پھولوں کی اُس نے بات بھی نہ
پوچھی۔ سیدھا وہ اُس پاس کے گھاس میں کھڑا تھا۔ آن بیٹھا۔ ڈیزی اِس خوشی کے
مارے سب کچھ بھول گیا۔ اب حیران تھا کہ میں کیا کروں۔ یہ چھوٹا سا جانور اُس کے گرد
پھدکتا جاتا تھا۔ اور اپنی چونچ سے اُس کے بوسے لیتا تھا اور یہ گاتا تھا کہ کیسی نرم
گھاس ہے۔ اِس میں یہ پھول کیا خوبصورت ہے۔ کہ جس کی زردی کی چمک کے سامنے
کندن کی دمک ماند ہے جس کی سفیدی کی دمک کے سامنے چاندی کی چمک بھی مات ہے۔
جب اور پھولوں نے دیکھا کہ اِس خوش آواز جانور نے ہمیں منہ نہ لگایا اور دلدار ڈیزی کے
ساتھ اُس نے لگاوٹ کی جس سے وہ خوشی کے مارے پھولا نہیں سماتا۔ تو وہ رشک
اور حسد کے مارے بن آگ جلنے لگے۔ گل مہدی اور اکڑنے۔ گیندا اور اینڈنے لگا
ڈیزی نے جب یہ حال دیکھا تو افسوس کرنے لگا۔ کہ یہ پھول میری خوشی کو نہ دیکھ سکے
اور ناحق حسد سے جلنے لگے۔ اتنے میں وہ کیا دیکھتا ہے کہ مالی باغ میں آیا۔ گل مہدی
اور گیندوں کو توڑ کر لے گیا۔ یہ حال دیکھ کر ڈیزی نے ایک ہائے کا نعرہ مارا
کہ ان پھولوں کی جان پر کیا صدمہ پہنچا۔ کہ آن کی آن میں ان کی بہار پر کیا خزاں
آئی۔ خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ میں باغ کے اندر نہ اُگا تھا۔ اس سے باہر گھاس میں
پیدا ہوا جو آج بچ گیا۔ جب آفتاب غروب ہوا تو ڈیزی نے اپنے پتیوں کی
آنکھوں کو بند کرکے آرام کیا مگر رات بھر خواب میں آفتاب اور چھوٹا جانور

دیکھتا رہا +

دوسرا سبق

جب پھر صبح ہوئی تو ڈیزی نے اپنی پتیوں کا پیالہ لے کر ہاتھ پھیلایا۔ اور دھوپ اور ہوا سے بھر لیا۔ اب جو نظر اٹھاتا ہو تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک دروازہ میں پنجرا لٹک رہا ہے۔ اور اس میں وہی چھوٹا سا راپیارا جانور گرفتار ہے جو کل اُس پر بیٹھ کر چہچہاتا تھا۔ کل آزاد تھا۔ آج قید ہے۔ ایک غمناک آواز میں گیت گا رہا تھا۔ ہائے آزادی ہائے آزادی میں تجھ کو اب کہاں سے لاؤں۔ اور کیونکر لاؤں۔ میں نے تیری بدولت کیا کیا مزے اور عیش اُڑائے۔ بلند ہواؤں میں اپنے بازؤں سے خوب سیریں کیں ہرے بھرے کھیتوں کے مزے لوٹے + اپنے دوست کی یہ حقیقت دیکھ کر ڈیزی کے ہوش و حواس اُڑے۔ اپنی ساری بہار بھول گیا۔ اُس کے حال میں ایسا محو ہوا کہ کچھ خبر نہ تھی کہ سورج کی کرنیں گرما گرم اُس پاس آرہی ہیں۔ اور اس کی سفید پتیوں کو چمکا رہی ہیں۔ دل سے چاہتا تھا کہ اس گرفتار بلا کی مدد کروں۔ مگر بے بس تھا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اس پر کیفیت گذری تھی کہ دو لڑکے باغ سے باہر نکلے۔ ایک کے ہاتھ میں لمبی درانتی تھی وہ اس پاس چلے آئے۔ اب یہ بیچارہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کام کرنے آئے ہیں۔ ایک لڑکے نے کہا کہ ہم چنڈول کے پنجرے میں رکھنے کے لئے ایک گھاس کا مٹھا کاٹیں گے۔ اُس نے ایک مربع کی شکل کا ایک قطعہ چھوٹا سا گھاس کا کاٹنا شروع کیا جس کے مرکز پر ڈیزی کھڑا تھا۔ دوسرے لڑکے نے کہا کہ اس پھول کو نکال کر

پھننگ دیہ سنتے ہی ڈیزی کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں تھر تھر کانپنے لگا۔
یوں پھنک جانے کو اپنی موت جانتا تھا۔ اور گھاس کے مٹھے کے ساتھ چنڈول کے پنجرے
میں چلے جانے کو اپنی زندگی سمجھتا تھا۔ خیر یہ ہوئی کہ دوسرے لڑکے نے کہا کہ یہ پھول
تو اس گھاس کے اندر بڑا خوش نما معلوم ہوتا ہے اُسے رہنے دو۔ دوسرے لڑکے نے کہنا
مان لیا اور گھاس کے مٹھے کو ڈیزی سمیت لاکر چنڈول کے پنجرے میں رکھ دیا۔
چنڈول اپنی آزادی کے لئے فریاد مچا رہا تھا۔ پنجرے کی تیلیوں پر اپنے تئیں دے
دے مارتا تھا۔ ڈیزی کو یہ حال دیکھ کر افسوس ہوتا تھا کہ میری زبان ہی نہیں کہ
میں اس غمزدہ کی تسکین و تسلی کے دو بول کہہ سکوں غرض صبح لڑکے چلے گئے
اور ظالم ایک بوند پانی کی پنجرے کی کلیا میں نہیں ڈال گئے۔ کہ چنڈول اس کو
پیتا۔ اب وہ فریاد مچاتا تھا کہ ہائے پانی نہیں کہ میں اپنی پیاس بجھاؤں۔
پیاس کے مارے حلق میں کانٹے پڑے جاتے ہیں۔ جان نکلی جاتی ہے
ہائے افسوس ہے کہ میں اُس دھوپ سے اُس سبز گھاس سے۔ غرض دنیا کی ساری
خوبصورت چیزوں سے رخصت ہوتا ہوں۔ پھر اُس نے ٹھنڈی گھاس میں چونچ سے ایک
سوراخ کیا اور اُس میں چونچ کو رکھا کہ شاید اُس کی نمی سے کچھ پیاس بجھے۔ مگر
کیا اوسوں پیاس بجھتی ہے۔ اس سوراخ میں سے ڈیزی پر کہیں نظر جا پڑی۔ اُسے جھک کے
سلام کیا۔ چونچ سے اس کے ہاتھ پاؤں چومے اور کہا کہ ہائے ہائے تم بھی
میری جان یہاں آن کر پژمردہ ہو گئے۔ اب تمام دنیا کی چیزیں تو مجھ سے

جھٹ ہی لی تھیں۔ ان سب کے بدلے میں تم اور یہ گھاس کا مٹھا ملا ہے مجھے تمہاری ایک
ایک پتی ایک خوشبودار پھول کی برابر ہے اور اس گھاس کا ایک پٹھا ایک درخت کی برابر ہے
یہ رنج و غم کی باتیں سن کر ڈیزی دل سے چاہتا تھا کہ میں اُس کی تشفی اور تسلی کی باتیں کروں
مگر وہ مجبور تھا۔ وہ اپنی ایک پتی بھی نہیں ہلا سکتا تھا مگر ہاں اپنی مہک سے اُس کی
جان کو تر و تازگی پہنچاتا تھا۔ اتنا بھی اس مصیبت کی حالت میں اُس پر ایک بڑا
احسان تھا۔ چنڈول نے جھنجھلاہٹ میں چونچیں مار مار کر گھاس کو تو چھلنی بنا دیا۔
مگر ڈیزی کی پتی میں ذرا جنبش نہ لگائی۔ شام تک تو وہ تڑپ تڑپ کر پیاس کے
مارے دم توڑتا رہا۔ کوئی پانی کی بوند حلق میں ٹپکانے والا نہ آیا۔ آخر کو اُس کے
خوبصورت بازو پھیل گئے۔ ان میں دم اتنا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ ہلتے تھے اس کی
غمگین آواز ٹوٹ ٹوٹ کی جان کنی کی تکلیفوں کو تبلا رہی تھی۔ پھر یہ آواز بھی نہ
نکلی۔ پر بھی کوئی نہ ہلا۔ پیاس کے مارے دل بجھ گیا منکا ڈھل گیا۔ دُنیا سے
سدھار گیا۔ اس غم میں ڈیزی بھی مُرجھا گیا۔ جیسے رات کو پہلے وہ اپنی پتیوں کی
آنکھیں بند کر کے سوتا تھا نہ سویا۔ رنج و غم کے بوجھ سے زمین پر گر پڑا۔

دوسرے دن صبح کو لڑکے آئے۔ پنجرے میں جانور کو مردہ دیکھ کر ایسے رنجیدہ ہوئے
کہ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ انھوں نے جانور کو پنجرے سے نکالا۔ اُس کے
لیے قبر کھودی۔ رو رو کر اس کو دفن کیا۔ قبر پر پھولوں کے گلدستے چڑھائے۔ اس بیچارے
جانور کا حال بھی کیا افسوس کے قابل ہے۔ وہ لڑکے جو اس کے مرنے پر ہزار دن آنسو

سہائیں وہ جیسے جی پانی کا قطرہ حلق میں ٹپکائیں۔ اور جس حال میں کہ اُس کی میٹھی بولیاں سُن کر دل خوش کر سکیں ایسا بھول جائیں کہ بن پانی اُس کی جان جاتی ہے۔ گھاس کے مٹھے کو ڈیڑی سمیت سڑک پر خاک میں پھینک دیا۔ پھر تو ڈیڑی کو کسی نے نہ پوچھا کہ تو کس کھیت کا بھوا ہے۔ وہ تو چنڈول کا دل ہے غم خوار بنتا۔ اگر بن سکتا۔ مگر اس کا کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔

خوش نصیب ہنس

ہنس ایک صاحب کا نوکر تھا۔ خوب دل لگا کر اپنا کام کرتا۔ دیانت امانت کا کام رکھتا۔ سات برس نوکری کرتا رہا کبھی رخصت لے کر گھر نہ گیا۔ اب ایک دن صاحب سے عرض کی کہ میں بہت دنوں سے حضور کا نمک کھاتا ہوں۔ اب بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اپنے گھر جاؤں۔ اور ماں سے مل کر اُس کا کلیجہ ٹھنڈا کروں مجھے رخصت عنایت کیجیے اور چڑھی تنخواہ مرحمت فرمائیے۔ صاحب نے کہا سچ ہے تم نے میری نوکری بڑی وفاداری اور دیانت داری سے کی۔ حق نمک پورا پورا ادا کیا۔ میں بھی تمھیں ایسا اچھا انعام دیتا ہوں جیسا تمھارا اچھا کام تھا۔ یہ کہہ کر ایک سونے کا ڈلا دے دیا جو ہنس کے سر کے برابر تھا۔ وہ آداب بجا لایا۔ رومال نکال کر سونے کا ڈلا باندھا۔ اور گھر کو سیدھا خوشی خوشی گاتا اور سیٹی بجاتا ہوا ہوئے چلا۔ مگر سونے کا ڈلا لوہے اور پتھر سے زیادہ بوجھل ایسا تھا کہ جس سے کندھے شل ہو گئے۔ گو کندھے کو بار بار بدلتا تھا۔ مگر کسی طرح چین نہ پاتا تھا۔ آخر کار بوجھ کے مارے ایک قدم اٹھانا مشکل پڑ گیا۔ گر گرتا پڑتا اٹھتا بیٹھتا چلا جاتا تھا کہ سامنے سے ایک سوار

دیکھا کہ وہ گھوڑا سرپٹ اُٹھائے شہر کی طرف چلا جاتا تھا۔ یہ دیکھ کر ہنس لال کو گھوڑے کی سواری بھی
سبحان اللہ کیا سواری ہے۔ کہ کوسوں چلے جاؤ نہ پاؤں کو پتھروں کی ٹھوکریں لگیں نہ جوتیاں ٹوٹیں
گھوڑے کی سواری پر کیا بیٹھے گویا آرام کرسی پر بیٹھے اس پر منزل پر پہنچنا معلوم نہیں ہوتا
پیٹ کا پانی نہیں ہلتا۔ ہنس کا یہ کہنا سُن کر سوار ٹھہر گیا۔ اس نے پوچھا کہ اے دوست تم اس
پیادہ پا کیوں چلتے ہو۔ ہنس نے جواب دیا کہ مجھے گھر جانا ہے۔ اور یہ خالص سونے کا ڈلا
لیے جاتا ہوں اس کا بوجھ اتنا ہے کہ میرے دونوں کندھے رہ گئے ہیں اور گردن سیدھی نہیں کر سکتا
سوار نے کہا کہ اگر سونے کے ڈلے نے تم کو ایسا تھکا دیا ہے۔ تو تم میرا گھوڑا لے لو اور اپنا
سونے کا ڈلا مجھے دیدو۔ ہنس نے جواب دیا کہ کیا بات آپ نے میرے دل کی کہی ہے۔ مگر میں تم سے
کہے دیتا ہوں کہ یہ سونے کا ڈلا تم کو راہ میں بڑا خراب خستہ کرے گا۔ سوار نے گھوڑے
سے اُتر کر ہنس کے ہاتھ میں لگام دی۔ اور خود اُس نے ہنس کو گھوڑے پر چڑھا دیا۔ اور
یہ سمجھا دیا کہ جب تم کو گھوڑے کا تیز قدم چلانا منظور ہو تو ایک ٹکٹکاری دے کر چلانا کہ چل چل
ہنس بڑا خوش ہوا۔ سر پر سے سونے کے ڈلے کا بوجھ اُترا۔ ہلکا ہو گیا۔ گھوڑے پر
بیٹھا۔ وہ کہنے لگا کہ اب جہاں جی چاہے گا چلا جاؤں گا۔ تھوڑی دور خیریت کے ساتھ
چلا تھا کہ دل میں لہر آئی کہ گھوڑے کو تیز قدم کیجیے۔ اس کو ٹکٹکاری لگا کر چل چل کا
غل مچایا۔ گھوڑا سرپٹ لے کر دوڑا۔ اُس کے ہوش و حواس اُڑ گئے۔ کچھ خبر
نہ رہی کہ میں کہاں چلا جاتا ہوں۔ سڑک اور کھیت کے درمیان ایک خندق
آئی۔ اس میں گھوڑے پر سے گر پڑا۔ اور بے ہوش ہو گیا۔ ایک کسان گائے لیے

آتا تھا۔ اس نے گھوڑے کو باگ پکڑ کر تھام لیا جب شخص کو ہوش آیا۔ کھڑا ہوا۔ دل میں بڑا رنجیدہ تھا۔ وہ کسان سے کہنے لگا کہ جس شخص کا ایسا گھوڑا ہو کہ شوخی کر کے سوار کو پھینک دے اور اُس کا ہاتھ منہ توڑ دے۔ تو اُس کی ہنسی کیوں نہ اُڑے۔ تمھاری یہ گائے خوب ہے غریب ایسی کہ کوئی اس کے پیچھے چلے تو نہ کبھی وہ اُس پر دولتی مارے۔ روز دودھ مکھن ملائی کھلائے۔ بھلا اور جانور کون ایسا ہو سکتا ہے میں کیا اس کے عوض میں دوں کہ وہ مجھے مل جائے کسان نے کہا کہ یہ عنایت اور احسان تو میں آپ پر کر سکتا ہوں کہ گائے آپ کو دیدوں اور گھوڑا آپ سے لے لوں ہنس نے کہا کہ میں اس مبادلہ کو قبول کرتا ہوں گھوڑا کسان کو دیدیا گائے آپ لے لی۔ گائے کو آگے رکھا اور اس کے پیچھے آپ چلا دل میں خوش تھا کہ یہ مبادلہ میں نے کیا خوب کیا ہے۔ اب مجھے کھانے پینے کی چیزوں کی پرواہ نہیں بھوک لگے گی تو اسی گائے کا مکھن اور پنیر کھالوں گا۔ پیاس لگے گی تو اُس کا دودھ پی لوں گا یوں بھوکا پیاسا کبھی نہ رہوں گا اب یہ چل کر سرا میں اُترا۔ وہاں ٹھہرنے کا ارادہ کیا جو کچھ اُس کے پاس کھانا تھا وہ کھالیا جو پیسے بچے تھے اُن کا شربت پی لیا غرض اب کچھ زادِ راہ ساتھ نہ رہا پھر وہ سرا سے اٹھ کر گاؤں کو چلا۔ چلتے چلتے دوپہر ہو گئی جس سے گرمی کی بہت شدت ہو گئی۔ رستہ میں بھی ایک جگہ ایسی آگئی کہ وہ ہمیشہ سبز رہتی تھی۔ اور رنگا رنگ کے جنگلی پھول کھلتے تھے اس کے طے کرنے میں بھی ایک گھنٹہ سے کم نہیں لگتا۔ اب وہ گرمی سے بیتاب ہو گیا پیاس کے مارے حلق میں کانٹے پڑے پھیپھڑی بندھ گئی

اب ہنس کو پیاس بجھانے کا علاج یہ سوجھا کہ گائے سے دودھ دوہئے اور پی لیجئے۔ گائے
کو سی درخت میں باندھا تھنوں سے اپنی چونچ کی تھیلی میں دوہنا شروع کیا۔ مگر وہاں تھنوں
میں دودھ کہاں کہا تھا۔ وہ تو خشک تھی۔ ایک بوند بھی دودھ کی نہ نکلی کہ وہ اپنا حلق تر کرتا
تو وہ غصے کے مارے آپے سے باہر ہو گیا۔ گائے کے بھی ایک لات ایسے زور سے
جڑی کہ وہ بچاری گر پڑی۔ دیر میں سنبھل کر کھڑی ہوئی یہاں ہو ہی رہا تھا کہ ایک
قسائی سور کو گاڑی میں جوتے ہوئے آیا۔ اُس نے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے اس ساری
کہانی قسائی کو سنائی قسائی نے اپنی چھاگل میں سے پانی پلا کر اس کی پیاس
بجھائی اور کہا کہ میاں تمہاری گائے بڑھیا ہو گئی ہے۔ قیامت تک دودھ نہیں دے گی
۔ اب سوا اس کے اور کسی کام کی نہیں کہ قسائی کے حوالہ کرو۔ ہنس نے کہا کہ
کیا خوب بات آپ نے فرمائی ہے۔ یہ گائے اسی قابل ہے کہ اس شخص کو دی جائے کہ
جس کو اس کے گوشت کی ضرورت ہو۔ وہ اُسے ذبح کر ڈالے۔ میں تو گائے کے
گوشت کا نام بھی نہ لوں۔ اگر میرے پاس ایسا سور کا بچہ ہو جیسا کہ آپ کے پاس ہے
اور اس کے ساتھ کچھ چٹنی ہو۔ قسائی نے کہا خیر میں آپ کی یہ خاطر کرتا ہوں۔ کہ بوڑھی
گائے بن دودھ کی لیتا ہوں اور اپنا موٹا تازہ سور کا بچہ دیتا ہوں ہنس نے کہا کہ آپ
کی اس عنایت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور گائے آپ کے حوالہ کرتا ہوں۔ اور سور کا
بچہ لیتا ہوں۔ اس مبادلہ پر وہ بڑا خوش ہوا۔ سور کی پچھلی ٹانگوں میں رسی باندھی
اور آگے چلا۔ اپنے دل میں کہتا تھا کہ اگرچہ کبھی میری غلطی سے کچھ بات بگڑ جاتی ہے

خود نہیں کر سکتا۔ بہتر ہوگا کہ تم مجھے اپنی بطخ دیدو۔ اور میرا سور تم لے لو۔ بطخ والے نے
کہا کہ گو یوں معاملہ کرنے میں میرا سراسر نقصان ہے۔ مگر مجھے تمھاری دل شکنی منظور نہیں
اپنی یہ بطخ تم کو دیتا ہوں۔ اور سور لیتا ہوں۔ اب ہانس بغل میں بطخ کو مار کر خوش خوش
گھر چلے۔ اب بھی یہی سمجھتا تھا کہ اس معاملہ میں بھی نفع رہا۔ اگر اس موٹی تازی بطخ کا کباب
بنے گا تو تین مہینے تک ۵ سیر کھانے کے لئے کافی ہوگا۔ اور اُس کے سفید پروں سے میرے
تکئے بھرے جائیں گے۔ تو وہ ایسے نرم ہوں گے کہ ان کے سرہانے رکھنے سے ایسے آرام
کی نیند آئے گی کہ کبھی نہ چونک پڑوں گا۔ اور میری ماں اس بطخ کو دیکھ کر خوش ہوگی۔
اس خیال میں وہ سڑک پر چلتے چلتے دوسرے گاؤں میں پہنچا۔ وہاں ایک سان گر کو دیکھا
کہ قینچیوں پر سان لگا رہا ہے۔ اور خوشی کے مارے خوب لہکیں لے لے کر گا رہا ہے۔ بڑی دیر تک
اس کا تماشا دیکھتا رہا۔ پھر اس سے کہنے لگا کہ آپ کا کام کیا خوب ہے جس سے آپ کا دل خوش رہتا ہے
اور جی گانے کو چاہتا ہے۔ سان گر نے کہا کہ تم سچ کہتے ہو کہ میرا پیشہ ایسا ہی ہے کہ جس میں
خوب دولت کماتا ہوں کبھی اپنی جیب میں ہاتھ نہیں ڈالتا ہوں کہ روپیوں پیسوں سے
بھرا نہیں پاتا۔ اب تم یہ بتاؤ کہ یہ خوبصورت بطخ تم نے کہاں سے مول لی۔ ہانس نے کہا کہ بطخ مول
نہیں لی سور سے بدلی تھی۔ سور گائے کے بدلے میں ہاتھ لگا تھا۔ اور گائے گھوڑے کے
بدلے میں لی تھی۔ اور گھوڑا سونے کے ڈلے سے بدلا تھا۔ اور سونے کا ڈلا سات برس
کی نوکری کی کمائی تھی۔ سان گر نے کہا کہ آپ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا
کے معاملات کو آپ خوب سمجھتے ہیں۔ اب اگر عقلمند اور ہوشیار ہو گے تو ایک معاملہ تمھارے

سامنے اس وقت ایسا پیش آگیا ہے کہ جس سے تم ایسے دولتمند ہو جاؤ گے کہ جیب میں ہاتھ ڈالو گے روپیوں سے بھرا پاؤ گے۔ ہنس نے کہا کہ ایسا معاملہ کونسا ہے ذرا مہربانی کرکے مجھے بتلائیے۔ اس نے کہا کہ تم میری طرح سان گر بن جاؤ۔ ایک اوزار سان میرے پاس ہے لے لو۔ اگرچہ وہ کچھ گھسا گھسایا ہے مگر میں اس کی زیادہ قیمت نہیں مانگتا فقط یہی بطخ اس کی قیمت میں لے لونگا۔ اس کے سوا تم کو کسی اور اوزار کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ سب اس کے ساتھ ہوں گے۔

ہنس نے کہا کہ کوئی شخص اس بات میں شبہ نہیں کرسکتا کہ جس آدمی کا حال یہ ہو کہ ہر وقت اس کی جیب پیوں سے بھری رہے تو اس کی کوئی ضرورت اٹکی رہے گی وہ ہر وقت خوش حال رہے گا۔ یہ کہہ کر ہنس نے بطخ سان گر کے حوالہ کی۔ سان گر نے ایک سان اور اس کے ساتھ ایک فرش کا پتھر دیا اور کہا کہ یہ پتھر بڑے کام کا ہے۔ اس میں پرانی میخیں احتیاط سے ٹھوک لینا۔ گو اس پتھر کے لینے سے اس کے جسم پر ایک بوجھ آن پڑا۔ مگر دل پر کوئی غم کا بوجھ نہ تھا۔ چہرہ ایک قناعت کی تصویر نظر آتا تھا جس میں خوشی کی رنگتیں چمک رہی تھیں وہ اپنے تئیں بڑا صاحب نصیب اور خوش اقبال سمجھتا تھا اور کہتا تھا کہ میری آرزوئیں آپ سے آپ پوری ہوتی جاتی ہیں منہ مانگی مرادیں ملتی ہیں۔

اب وہ صبح سے شام تک پاپیادہ یہ بوجھ لے کر چلا۔ تو تھک کر چکنا چور ہو گیا اور راہ کچھ پاس نہ تھا۔ وہ سب گا سے کے مبادہ کہ وقت ختم ہو چکا تھا بھوک پیاس کے

مارے ہاتھ پاؤں کا دم نکلنے لگا۔ اِدھر پتھروں کے بوجھ سے قدم اٹھانا دشوار ہو گیا۔ بہزار خرابی وہ دگ دگ گھسا کر بڑی مشکل سے دریا کے کنارے پانی پینے اور دم لینے کے لئے پہنچا۔ بغلوں میں پتھروں کو بڑی احتیاط سے دبا رکھ کر پانی پینے کے لئے جھکا تھا کہ پتھروں کو اِس کی ٹھیس لگ گئی۔ غڑپ سے وہ دریا میں جا پڑے۔ فوراً ڈوب کر دریا کی تہ میں پہنچ گئے۔ وہ ہنس خوشی کے مارے اچھل پڑا کہ ان پتھروں سے بھی خدا نے پیچھا چھڑایا یہ بھی گردن پر ایک عذاب تھا۔ اُس نے کبھی کسی بات پر اپنے تئیں ملامت کر کے رنج نہیں دیا۔ بلکہ یہی کہتا رہا کہ میری برابر کوئی خوش نصیب کم ہوگا کہ جس کا دل شاد ہے اور غم سے آزاد ہے

اشعار نظیر خان

چہرہ پہ ملامت نہ جگر میں اثرِ غم ۔۔۔ ماتھے میں کہیں چین نہ ابرو میں کہیں خم
شکوہ نہ زباں پر نہ کبھی چشم ہوئی نم ۔۔۔ غم میں بھی وہی عیش و الم میں بھی وہی دم

ہر بات ہر اوقات ہر افعال میں خوش ہیں
جو پکے ہیں وہی مرد ہر حال میں خوش ہیں

اب وہ اچھلتا کودتا اپنے گھر پہنچا اور اپنی ماں سے جا ملا۔

طائروں کے پر

شیخ امام بخش ناسخ

طائروں کے پروں کو دیکھ ذرا ۔۔۔ ان کو آپس میں کیا قرینے سے بنا
پروئے ہیں یوں گتھے ہوئے باہم ۔۔۔ کہ ذرا کھولنے سے ہوں برہم
نہیں ہوتے جدا وہ آپس سے ۔۔۔ جب تک ان کو ہوا جدا نہ کرے

دیکھ تو مرغ جب ہوا میں اُڑے — روکتے ہیں یہ پر ہوا میں اُنھیں
صنعت اور ان پروں میں بھی ہے — گاؤدُم سیخ اُن میں رکھی ہے
ہے وہ مضبوط اور محکم تر — اس کے دونوں طرف ہیں پر
سختی اس واسطے ملی ہو اُسے — اُن پروں کو وہ راست رہنے دے
پھر مجوف اُسے بنایا ہے — جب ہوا جوف بوجھ بھر گیا ہے
تا نہ ہو طائروں کو بوجھ اُن کا — نہ ہو پرواز میں عنا ذرا

چیونٹیوں کا بیان

شیخ امام بخش ناسخ

دیکھ انواعِ خلقتِ موراں — دیکھ افواج و کثرتِ موراں
وہ بھی خانہ کشی سے ڈرتی ہیں — کس طرح قوت جمع کرتی ہیں
متفق وہ گروہ جاتی ہیں — دانے اپنے گھروں میں لاتی ہیں
متفق ہو کے جب طرح انسان — کریں نقلِ طعام کا سامان
بلکہ جو اہتمام اُن کا ہے — کہیں انسانوں سے زیادہ ہے
نہیں تو دیکھتا کہ یہ کیونکر — ہو کے یار و مددِ یک دیگر
لاتی ہیں دانے اپنے روزن میں — جیسے انسان کُنجِ مسکن میں
ایک دانے کو کرتی ہیں دو دو — تا نہ اُگنے لگے نہ ضائع ہو
دانوں میں باقی ہیں کہیں جو نمی — یا کہ سوراخوں میں گیا پانی
دانے باہر نکال لاتی ہیں — اور اُنھیں دھوپ میں سکھاتی ہیں
ڈھونڈتی ہیں بلند تر روزن — ہو گذرگاہ سیل کا مامن

ہے نشیب و فراز میں انھیں فرق — نہ ہو روزن و فوارِ آب سے غرق
بے تفکر یہ کام کرتی ہیں — بے تدبر یہ کام کرتی ہیں
ہے خدا سے مگر انھیں الہام — کرتے ہیں اپنی مصلحت سے کام

چمگادڑ

تم دونو وقت ملتے دیکھتے ہو کہ کھیتوں اور عمارتوں کی دراڑوں اور موکھوں میں سے چمگادڑیں نکلتی ہیں اور ہوا میں سیکڑوں چکر لگاتی ہوئی اِدھر سے اُدھر اُڑتی پھرتی ہیں اِس اُڑنے پر بھی وہ پردار جانوروں میں نہیں شمار ہوتیں دودھ پلانے والے جانوروں میں گنی جاتی ہیں۔ وہ بچوں کو چھاتیوں سے دودھ پلاتی ہیں اُس کا سر اور جسم چوہیا کا سا ہوتا ہے اس پر نرم نرم رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں پچھلی ٹانگوں میں پتلی پتلی انگلیاں ہوتی ہیں اس کے پر نہیں ہوتے بلکہ ایک پتلی جھلّی ہوتی ہے جو اِن انگلیوں کے درمیان منڈھی اور اُس کی ٹانگوں اور دم سے جڑی ہوتی ہے۔ وہ اُن کو چھتری کی طرح کھولتی اور بند کرتی ہے۔ انگلیوں کے سرے پر ناخنوں کی جگہ پنجے ہوتے ہیں جن کو کانٹے بھی کہہ سکتے ہیں جب وہ سوتی ہے تو سر تلے لٹکا دیتی ہے اور پچھلی ٹانگ کے پنجے سے کسی چیز کو پکڑ لیتی ہے۔ دن بھر وہ اندھیرے سوراخوں میں پرانے مکانوں میں کبھی چھاؤں درختوں میں سر نیچا کیے لٹکتی رہتی ہے۔ رات کو اُڑتی ہے۔ اگر تم اس وقت ایک پتھر اچھالو تو وہ اُس کو پکڑ کر یہ دیکھنے لگی کہ یہ ہمارے کھانے کی چیز نہیں ہے پھر اُسے چھوڑ دے گی چمگادڑیں کسان کے ساتھ بڑا سلوک کرتی ہیں کہ وہ اِن کیڑوں مکوڑوں کو کھاتی ہیں جو اُس کے کھیت کا بڑا نقصان کرتے ہیں اگر یہ انھیں نہ کھائیں تو اِن کے انڈے بچے اتنے ہوتے کہ

کھیت کے درختوں کی جڑوں کو گھن لگ جاتا اور پھر کھیت خاک میں مل جاتا یہ احسان اُن کا انسان پر بھی ہی کہ وہ مچھر اور بھنگے بہت کھاتی ہیں بعض چمگادڑیں درختوں کے پھل کھا جاتی ہیں مگر بعض آدمی بھی اُنھیں مار کر کھا جاتے ہیں یہ اُن کے میوے کھاتی ہیں وہ خود اُن کو کھاتی ہیں اس طرح نفع نقصان برابر ہو جاتا ہی۔ عوض معوض گلہ ندارد۔ چمگادڑیں چھوٹی بڑی ہوتی ہیں بعض ایسی چھوٹی کہ بھاری ہتیلی کی برابر بعض اتنی بڑی کہ اگر سگ پراں یا روباہ پراں اُن کا نام رکھیں تو اُن پر پھبتا ہی۔

ہمارے ملک میں ایسی چمگادڑیں نہیں ہوتیں کہ ہم کو تکلیف دیں مگر روے زمین پر بعض ملک ایسے ہیں کہ وہاں چمگادڑیں بڑا ستم کرتی ہیں کہ آدمیوں کا خون پی جاتی ہیں وہ آدمی پر تاک لگا رہتی ہیں کہ وہ کب سوے جہاں وہ سویا اُس کے پاس جا تی ہیں جہاں سے اُس کا بدن کھلا پاتی ہیں وہاں ایک گول سوراخ کرتی ہیں اور اُس کی رگ سے پیٹ بھر کر خون پی جاتی ہیں خون ایسی حکمت سے پیتی ہیں کہ آدمی کو خبر تک نہیں ہوتی جب وہ اُٹھتا ہی تو کہتا ہی کہ کوئی جن میرا خون پی گیا۔ وہ جن بھی چمگادڑیں ہوتی ہیں غرض مرغ عیسیٰ بھی عجب نرالا اور انوکھا جانور ہی۔

بندر

شہر میں کسی محلہ کے اندر جہاں بندر آیا غل مچا کہ لیجو لیجو وہ گیا یہ گیا وہ توڑا یہ پھوڑا وہ لے گیا یہ چھوڑ گیا۔ وہ دیوار دیوار منڈیروں پر پھرتا ہی چھتوں اور درختوں پر ادھر سے اُدھر کودتا پھلانگتا پھرتا ہی۔ لوگ بھی اُس کے پیچھے بندر کی طرح ناچتے پھرتے ہیں کھانے کی چیزوں کی تاک میں بیٹھا رہتا ہی۔ جہاں آنکھ بچی مال یاروں کا۔

کپڑے برتن کبھی اُٹھا کر لے جاتا ہے۔ بچوں کے سروں پر سے ٹوپیاں اتار لیتا ہے۔ ان چیزوں کو
وہ منڈیر پر یا درخت پر جا کر بیٹھتا ہے۔ اگر آئینہ ہاتھ لگ گیا تو وہ بڑے تماشے کرتا ہے جھک جھک کے
اُس میں دیکھتا ہے کبھی بھبکیاں دیتا ہے کبھی آنکھیں بند کر کے چپکا ہو بیٹھتا ہے۔ بندر کے ہاتھ آئینہ مشہور
مثل ہے۔ اُس پاس لوگ جاتے ہیں اور کچھ کھانے کو دے کر اپنی چیزوں کو چھڑا لاتے ہیں۔
بعض اوقات دس بیس بندر مل کر محلے کے ایک دو خالی مکانوں میں قبضہ کر لیتے ہیں اور رات
دن اُس میں رہتے ہیں کسی کو گھسنے نہیں دیتے آٹھویں دسویں وہ مکاندار اپنے مکان میں جاتا
ہے۔ دس پانچ چیزیں محلہ والوں کی اُٹھا لاتا ہے۔ مالک کچھ دے اپنی چیزیں لے لیتے ہیں
یوں بندروں سے مکان کا کرایہ بہت زیادہ نسبت اور کرایہ داروں کے وصول ہو جاتا
ہے۔ ان منواجی کا سیانا پن تو دیکھو کہ وہ ہندوؤں کے محلوں میں غول کے غول
پڑے پھرتے ہیں اور مسلمانوں کے محلے میں کبھی کوئی ایک دو بھول کر آ جاتا ہے
وہ جانتے ہیں کہ ہندو ہم کو پاک جانور جانتے ہیں حلوا پوری۔ کچوری
گڑ دھانی کھلاتے ہیں۔ اُن کے من کو بھاتے ہیں اس لئے پیار سے وہ
ہم کو منوا کہتے ہیں۔ کسی طرح نہیں ستاتے۔ مسلمان گو ہم کو میمون کہتے
ہیں مگر موذی جانور جانتے ہیں۔ ان کے ہاں جانے سے کھانے کی جگہ
مار کھاتے ہیں ٭

شہروں میں بندروں کا حال یہ ہے اب گاؤں میں اُن کے ہاتھ سے بہت سی آفتیں
آتی ہیں غریبوں کے چھپروں کا پھوس اُلٹ پلٹ کر دیتے ہیں وہ کاٹتے ان پہ

سکھا کر کچھ دنوں انھیں نچاتے ہیں ۔
باغوں میں کچے پکے میووں کی اور کھیتوں میں اناجوں کی لوٹ مچاتے ہیں کہ
اُن کا ستیاناس ملا دیتے ہیں غرض شہر ہو یا گاؤں جہاں وہ جاتے ہیں وہاں ہائے ہائے مچواتے ہیں
اُن کے ہاتھ سے آدمی کا نقصان ہی نقصان ہوتا ہے اور کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اگرچہ بندر
کے اعضا میں تناسب ٹھیک نہیں مگر اُن میں آدمی کا ڈول پایا جاتا ہے۔ اُس کے اور آدمی کے
اعضا ملتے جلتے ہیں مثلاً چہرہ اُن کا آدمی سے ملتا ہے۔ اُن کے ہاتھوں میں وہی خاص صفت ہے
جو آدمی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ کہ چار انگلیاں اور ایک انگوٹھا ہے جو سب انگلیوں کے سامنے
جا سکتا ہے اُس کے پچھلے پاؤں کا بھی حال اگلے ہاتھوں کا سا ہے۔ اس لیے اُس کو چوہتا جانور
کہتے ہیں گو انسان میں اور اس میں یہ ظاہری جسمانی مشابہتیں ہیں اور وہ آدمی کے
بہت سے کاموں کی نقلیں اُتار سکتا ہے مگر انسان کی سی عقل اور نطق اُس میں کہاں ہے
ایک بڑی قسم کا بندر ہوتا ہے اُس کا حال یوں لکھا ہے کہ جب کوئی مسافر آگ روشن کرتا ہے تو
وہ اُس کے شعلوں کے پاس آتا ہے اور اپنے تئیں گرم کر کے بڑا خوش ہوتا ہے جتنی اس آگ کی آنچ
کم ہوتی جاتی ہے اُتنا ہی یہ خوش ہو ہو کر اُس کے قریب آتا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ بار بار یہ
دیکھتا ہے کہ مسافر تازہ ایندھن ڈال کر آنچ کو تیز کرتا ہے۔ مگر وہ یہ کام نہیں کرتا کہ
ایندھن ڈال کر آگ کو بچا سکے۔ ان میں وہ قوا مدرکہ نہیں ہیں کہ جو آدمی میں ہوتے ہیں ۔
ان کی سیکڑوں قسمیں ہیں کوئی بلّی سے چھوٹا کوئی آدمی کے لڑکے کی برابر۔ کوئی
دم دار کوئی بن دم کسی کی آنکھیں دھسی ہوئی منہ سرخ کسی کے ہاتھ ایسے لمبے کہ اگر

وہ اپنے پچھلے ہاتھوں پر کھڑے ہوں تو اگلے ہاتھ زمین سے لگ جائیں بندر دو پاؤں سے تو نہیں چل سکتے مگر درختوں پر چھلانگیں مارتے ہوئے ایک جنگل سے دوسرے میں چلے جاتے ہیں اور زمین پر ایک قدم نہیں رکھتے + وہ درختوں پر رہتے ہیں میوے پتے کھاتے ہیں اس لئے وہ گرم ملکوں میں وہاں رہتے ہیں جہاں اُن کی یہ خوراک بارہ مہینے مل سکتی ہے + بندر میں بڑی خوبی یہ ہے کہ جو کچھ سکھائیے وہ سیکھ جاتا ہے۔ قلندروں کو تماشے کرتے ہوئے دیکھا ہوگا کہ دھیلے پیسے میں وہ ڈگڈگی بجا کر کیسے کیسے تماشے تم کو دکھاتے ہیں کبھی وہ ان کو نچاتے ہیں کبھی وہ بکرے پر سوار کرتے ہیں + گھوڑوں کا تماشا کرنے والے ان کے بچے پال کر بڑے بڑے کرتب سکھاتے ہیں + بعض بندر چوری کی لت میں خوبی سے کرتے ہیں کہ وہ چوروں کے بھی کان کترتے ہیں + بندروں کو اکثر بڑے بڑے پنجروں میں بند کر دیا کرتے ہیں اور ان کے تماشے دیکھا کرتے ہیں ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ پنجرے میں ایک بندر کچھ کھا رہا تھا کہ دوسرے بندر نے آن کر اُسے کاٹ کھایا۔ یہ بندر اس وقت اس سے کچھ نہ بولا۔ مگر اس کو دیکھ کر خوب پہچان لیا جب کھانے سے فرصت ملی تو یہ پنجرے کے دوسری طرف گیا اور وہاں ایک چھڑی رکھی تھی۔ اُسے اٹھا لایا۔ اور اس بندر کو خوب اُس چھڑی سے مارا تم بتاؤ یہ کام اُس نے اچھا کیا یا بُرا +

گلہری

میرے گھر میں ایک مولسری کا درخت تھا۔ اُس کے ڈالے مکان کی چھت کے اوپر تک آئے تھے اُس کا گھن ایسا تھا کہ ذرا دھوپ چھنتی تھی اس کی ڈالیوں اور پتوں میں ایک جگہ ...

گلہری کے جوڑے نے پسند کیا۔ وہاں کچھ روئی کچھ پودڑا اون وغیرہ لاکر اکٹھا کیا۔ اور ان
سب کو جوڑ جاڑ اپنا گھر ایسا بنا لیا کہ خواہ کیسا ہی جھڑاکے کا مینہ برسے مگر اس میں ایک
بوند اندر نہ جا سکے۔ یہ گھونسلا کیا تھا۔ ایک انڈے کی شکل کا ہنڈولا تھا جس کو
ہوا سہج سہج جھونٹے دیتی تھی اور گلہری کے بچوں کو سلاتی تھی۔ میں اس جوڑے کے
تماشوں سے دل بہلاتا تھا۔ مجھے اس کے چنچل اور چلبلے ہونے پر تعجب تھا۔ وہ دونو
نچلا بیٹھنا ہی نہیں جانتے تھے۔ ڈال ڈال پات پات پھرتے تھے۔ پُھنگ سے
جڑ میں اترنا اور جھٹ سے پھلانگ پر چڑھنا کوئی بات ہی ان کے نزدیک نہ تھی۔
غرض عجب تُرت پُھرت شوخی چالاکی اُن میں تھی۔

انھوں نے اپنے گھونسلے میں چار بچے دئے تھے۔ ایک دن خوب چلچلاتی پڑ رہی
تھی ایک بچہ نے ماں سے پوچھا نہ گچھا۔ گھر سے باہر ہوا کھانے کے لئے نکل پڑا۔ پیپل
کی ٹہنیوں پر چلنے لگا۔ ایک ڈال سے دوسری ڈال پر اترنے لگا۔ جب کسی کو پاس آتے
دیکھتا تو پتوں کی اوٹ میں چھپ جاتا۔ یوں اُتر کر دالان میں پہنچا۔ وہاں صندوق کھلا
کھلا پڑا تھا۔ اس کے مالک نے کپڑے نکالنے کے لئے اسے کھولا تھا۔ بچہ جھٹ صندوق
کے اندر چلا گیا۔ وہاں ایک دوشالہ کا نرم اوڑھنا بچھونا بنا کر بے خبر سو رہا۔ سندر لال نے
کپڑے صندوق کے اندر رکھ کر اس کا تالا لگا دیا۔ اس کو یہ خبر نہیں کہ یہاں ننھی سی جان
پڑی ہوئی آرام کر رہی ہے۔ تھوڑی دیر بعد سندر لال کے یاروں نے کہا کہ آج دریا پر چل کر
شکار کھیلیں۔ اس نے پھر کپڑوں کے لئے صندوق کھولا۔ اس کے کھلتے ہی بچے نے صندوق کا

قید خانہ پسند نہ تھا۔ وہ چل چلا کر دوڑا اور جھٹ پٹ سندر لال کے کندھے پر جا بیٹھا۔ پھر کندھے سے سر پر چڑھ گیا۔ سندر لال اُس کی یہ حرکتیں دیکھ کر بڑا خوش ہوا۔ اُس نے کہا او میرے پیارے میں تم کو پالوں گا۔ دودھ پیڑے کھلاؤں گا۔ ہنڈیا میں نرم بچھونا بچھا کر سلاؤں گا۔ وہ اُس کو شکار میں لے گیا۔ دریا پار کی سیر کرا لایا۔ پھر اُس نے سنہری روپہلی تو تی کا پٹہ گلے میں ڈالا۔ کلابتونی ڈورا اُس میں باندھا۔ یہ بچہ اُس سے ایسا ہل مل گیا تھا۔ کہ اُس کے گلے کا ہار بن گیا۔ وہ اُس کے کھانے پینے کی بڑی خبر رکھتا تھا۔ میوہ کھانے کو دیتا۔ اُن کو وہ اپنے ننھے ننھے پنجوں میں پکڑ لیتا۔ کتر کتر کر ٹکر ٹکر کھاتا۔ کچھ پھینک دیتا۔ کبھی بھوک ہوتی تو میوؤں کو بچھونے کے نیچے چھپا دیتا۔ غرض ایسے اپنے تماشے دکھاتا کہ اُس کے پیچھے سندر لال ور اپنے پلے ہوئے جانوروں کو بھول گیا۔ سب سے زیادہ اُس کے ساتھ مشغول رہتا۔

بلی کی سمجھ

بعض عقل والے آدمی یہ سمجھتے ہیں کہ بلی میں فقط اتنی سمجھ ہے۔ کہ وہ دبے پاؤں جا کر چوہوں کو مار لے۔ اور داؤں گھات لگا کر چڑیوں کا شکار کرلے۔ مگر تجربہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ جن بلیوں کی تربیت اچھی طرح ہوئی ہے۔ انھوں نے اپنی سمجھ بوجھ سے وہ عجیب عجیب کام دکھائے ہیں کہ عقل حیران ہوتی ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آدمی کے کہنے کو سمجھ جاتی ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ بلی کی طبیعت کا مقتضا ہے کہ وہ پرندوں کا شکار کرتی ہے مگر تم نے مداریوں میں دیکھا ہوگا کہ کبوتر اور بلی ایک پٹارے میں بند ہوتے ہیں یہاں دیکھو لوگ تربیت کے اثر نے اُس کی طبیعت کو بدل دیا۔ وہ کبوتر پر پنجہ نہیں مارتی ہے

بلکہ اس کے ساتھ پیار اخلاص رکھتی ہے۔ ایک عجیب کہانی بلّی کی سمجھ کی سنو۔ ایک بیگم صاحب
نے کسی جزیرہ کی بڑی خوبصورت چڑیا پالی تھی۔ اُس کا نام دل پسند رکھا تھا۔ وہ ان سے ایسی
ہل گئی تھی کہ جب وہ لکھتیں تو اُن کی چلتی قلم پر وہ جا بیٹھتی۔ اور قلم کے ساتھ ساتھ چلتی۔ وہ
کھانے بیٹھتیں تو اُن کی رکابی کے کنارہ پر جا بیٹھتی اور منتظر رہتی کہ کب نوالہ بنا کر اُس کو
کھلائیں۔ اس خوف سے کہ کہیں بلی اُسے کھا نہ جائے بلّی کے نام سے وہ گھبراتی تھیں پالنے کا
تو کیا ذکر ہے۔ اتفاق سے ایک دن اُن کے گھر میں بلّی کا بچہ بھولا بھٹکا آنکلا وہ سارے
گھر میں میاؤں میاؤں چلاتا پھرتا تھا۔ بیگم صاحبہ کی نظر اُس پر جا پڑی ترس آگیا
اُس کو دودھ پلایا۔ اور کہا کہ اب تم یہاں سے چلتے ہو۔ وہ بچہ چلا گیا۔ مگر کچھ چل پھر کر
اُلٹا چلا آیا۔ میاؤں میاؤں پکارنے لگا۔ اُس کی آواز سُن کر بیگم صاحبہ نے کہا کہ تو یہ
کہتا ہے کہ تجھے میں پال لوں۔ اب وہ یہ سوچیں کہ میں اس بیچارے کو گھر سے نکالتی ہوں تو
اُسے گلی کے کتے کاہے کو چھوڑیں گے ضرور جھنبوڑ کھائیں گے۔ اگر ان کے پنجے سے بچ کر
کسی کونے کھدرے میں جا کر چھپے گا تو وہاں بھوکا مرے گا۔ اس کا خون اپنی گردن پر
کیوں لوں۔ بہتر ہے کہ اسے پال لوں غرض بچہ کو پال لیا۔ اور موتی نام رکھا۔ اُس کو
سدھایا کہ وہ چڑیوں کو نہ ستائے جب دل پسند اُڑتی اور موتی کی نگاہ اُس پر جا پڑتی تو تنبیہ
ایک دھول جڑ دی جاتی۔ کہ کیوں اُس کی طرف دیکھا۔ موتی یہ سمجھتی تھی کہ دل پسند حقیقت
میں بیگم صاحبہ کی دل پسند ہے۔ اس کو تکلیف پہنچانا اُن کا دل دکھانا ہے۔ اس لئے وہ
کبھی اُس کے تکلیف پہنچانے کا خیال بھی نہ کرتی۔ تھوڑے دنوں میں ان

دونوں میں ایسا یارانہ ہو گیا کہ دل پسند کو ناک پر بٹھا کر موتی سارے گھر میں پڑی پھرتی۔ دل پسند بھی اس سواری سے ایسی خوش ہوتی کہ خوب اگ گاتی۔ یہ تماشے دیکھ کر سارا گھر خوش ہوتا۔ آپس میں یہ چھیڑ چھاڑیں بھی رہتیں کہ دل پسند موتی کے سر پر ایک ٹھونگ مار کر اڑ جاتی۔ موتی کھسیانی ہو کر خفا ہو جاتی۔ پھر ایک دوسرے کو منا لیتا۔ ایک دن بیگم صاحبہ بورچی خانہ میں گئیں وہاں بیگم صاحبہ کے کندھے پر دل پسند پنجرے سے نکل کر آ بیٹھی۔ موتی بھی اُن پاس دوڑی آئی۔ زمین پر ایک روٹی کا ٹکڑا پڑا تھا اُسکے کھانے کے لئے دل پسند نیچے اُتری ہی۔ کہ موتی دفعتہً اُس پر آن پڑی اور مُنہ میں پکڑ کر ایک کونے میں جا بیٹھی۔ بیگم صاحبہ یہ دیکھ کر حیران ہو گئیں کہ یا الٰہی بیٹھے بٹھائے یہ کیا آفت آئی۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہو گیا کہ بورچی خانہ میں ایک بلّی اور گھس آئی تھی۔ موتی نے دل پسند کو اس لئے پکڑ لیا تھا کہ کہیں وہ اُس کو پکڑ کر نہ کھا جائے جب وہ چلی گئی تو اُس نے دل پسند کو چھوڑ دیا۔ وہ پھر اُڑ کر بیگم صاحبہ پاس چلی آئی*

موتی کی عمر بڑی ہوئی اُس کو بہت سے داغ اپنے عزیز دوستوں کے اُٹھانے پڑے اُس نے اپنے دوستوں کی ماتم داری کا یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔ کہ جو مر جاتا۔ اُس کے عوض میں وہ کسی اور کو دوست نہیں بناتی تھی۔ جب دل پسند مر گئی اور اُس کے پنجرے کو رفتہ میں ورجانہ رکھا گیا تو جب اُس پنجرے کے پاس آتی۔ تو وہ اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیتی*

میرا پسندہ تھا کہ ایسا بنی دل پسند کی جگہ نہ آنے کا دکھ تھا اور مال کا نقصان ہوا*

ایک مقام میں بہت سی چیزیں نکمی ہوتی تھیں اور کچھ فائدہ نہیں دیتیں لیکن اگر اُن کو کسی اور مقام پر لے جاؤ تو بڑی قیمت اُٹھ آتی ہی۔ یا ایک ملک میں بعض چیزیں ایسی تیار ہوتی ہیں کہ وہاں کے باشندوں کی ضرورت سے زیادہ ہوتی ہیں تو اُن کو اگر دوسرے مقام پر لیجاؤ تو بہت فائدہ ہوتا ہی۔ انھیں دونوں کاموں کے لیے جہاز بنائے جاتے ہیں اور اُن کے وسیلہ سے ایک مقام سے دوسرے مقام پر چیزیں لائی جاتی ہیں۔ اپنے ہی ملک اور انگلستان کو دیکھو کہ اِن جہازوں میں کیا کیا چیزیں لد کر آتی جاتی ہیں تیل روئی سن چمڑا شکر گیہوں چانول یہاں سے انگلستان کو جہازوں میں سمندر کی راہ جاتا ہی اور وہاں سے اُن کے بدلے میں سیکڑوں چیزیں لوہے کی اور اچھے اچھے کپڑے آتے ہیں۔ سمندروں کی سیر کرکے یہ سوئیاں تمھارے گھر میں آن کر کپڑے سیتی ہیں اور یہ دیاسلائیاں تمھارے چراغوں کو روشن کرتی ہیں۔ جو شخص جہاز چلانے کا کام کرتا ہی۔ اُس کو ملاح یا جہازراں کہتے ہیں۔ اس کام میں سخت محنت کرنی پڑتی ہی۔ مگر جب موسم اچھا ہوا تو اُن کو یہ سب محنت راحت معلوم ہوتی ہی اور جب موسم خراب ہی اور طوفان آگئے ہوں تو موت کا ہر وقت سامنا ہی۔ جب طوفان برپا ہوتا ہی۔ تو یہ ہوتا ہی کہ کالی کالی گھٹائیں اُٹھتی ہیں دن کی رات ہو جاتی ہی بجلی چمکتی ہی بادل گرجتا ہی۔ ہوا تیز شدت سے چلتی ہی۔ اُس سے سمندر کا پانی تلاطم کرتا ہے اور جہاز کو ہر طرف سے موجیں گھیر لیتی ہیں اور تھپیڑیں لگاتی ہیں جہاز ڈگمگاتا ہی۔ وہ کبھی نیچے چلا جاتا ہی کبھی اوپر آتا ہی۔ کبھی اس طرف ٹیڑھا ہو جاتا ہی کبھی اُس طرف ایسا معلوم ہوتا ہی کہ موجوں اور تھپیڑوں سے وہ ٹکرا کر ڈوبا اب ڈوبا۔ یہ نازک وقت بڑا امتحان کا

ملاحوں کے ہنر اور جوہر اُس وقت کھلتے ہیں۔ جہاز نشینوں کے دلوں کا حال معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسے دلیر، ثابت قدم، مستقل ہیں۔ یا بودے اور ڈرپوک۔ جہازوں کے کپتان وہ سب باتیں جانتے ہیں یا نہیں کہ جو اس نازک وقت میں اُن کو جاننی چاہئیں اگر وہ فن جہاز رانی سے خوب ماہر ہیں تو مستقل رہ کر خوف و ہراس کو پاس نہیں آنے دیتے۔ اور جہاز کو بلا کے طوفان سے صحیح سلامت نکال کر لے جاتے ہیں اور بندرگاہ میں پہنچا دیتے ہیں۔ اگر اناڑی ہیں تو وہ آپ بھی ڈوبتے ہیں اور اوروں کو بھی لے ڈوبتے ہیں۔ جو لوگ اپنے گھروں میں جاڑوں میں انگیٹھیاں روشن کئے اور گرمیوں میں خس کی ٹٹیاں لگائے ہوئے چارپائیوں پر آرام کر رہے ہیں اُن کی سمجھ میں اِن طوفانوں کی مصیبتیں کب آتی ہیں اُن کی جانے بلا کہ طوفان کیا بلا ہوتی ہے ؛

سفر

اگر اول زمانہ سے آج تک دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ انسان نے بھی کیا کیا طریقے اپنے سفر کے لئے ایجاد کئے ہیں۔ پہلے پہل تو آدمی پاس یہی دو ٹانگیں اُس کی سواری تھیں انھیں سے ہزاروں کوس پیدل چلتا تھا۔ سیکڑوں کڑی منزلیں کاٹتا تھا۔ پھر اُس نے گھوڑوں کو سدھایا۔ اونٹ گدھوں کو ہلایا۔ اُن کی پیٹھ پر سوار ہوا۔ ملک ملک سوار بنا پھرا۔ پھر اُس نے پہیوں کی ایک گاڑی بنائی۔ اُس میں گھوڑوں کو لگا لا۔ اور ہوتا گھسٹر گھسٹر کرتا ہوا اُس گاڑی میں کوسوں چلا۔ پھر کسی ذہین دانشمند نے پہیوں کو ایجاد کیا۔ اُن سے گاڑیاں۔ چھکڑے۔ رتھ۔ تانگے

پہلیاں بنیں اور بیلوں کی جوڑیاں اُن میں جُتیں لیکھوں پر وہ چلیں بڑے بڑے سفر
اُن پر ہونے لگے۔ پھر اُس کے بعد بگی۔ فٹن۔ ٹم ٹم۔ ویگنٹ۔ جیرٹ۔ ایجاد ہوئے کسی نے
اِن میں گھوڑے کی جوڑی لگائی کسی نے چوکڑی۔ پھر اُن کے واسطے سڑکیں بھی بہت صاف
سیدھی بنائیں۔ غرض یہ سفر کرنے کی آرام و آسائش کی سواریاں بنائیں کہ کوسوں چلے
جاؤ۔ نہ بدن جھکولوں سے تھکے۔ نہ پیٹ کا پانی ہلے۔ اچھے موسموں میں صاف سڑکوں پر
اس سے بہتر کوئی اور طریقہ سفر کا مدتوں تک نہیں سمجھا گیا۔ پھر کسی عالی دماغ نے
سٹیم (بخارات) کی قوت اور قدرت کو دریافت کیا۔ پہلے اُس سے جہازوں کو چلایا بعد
اس کے کسی تیز طبع کو یہ سوجھی کہ جیسے تری میں جہاز چلتے ہیں ایسے خشکی میں گاڑیاں
چل سکتی ہیں اس بات کے بہت تجربے اور امتحان ہوئے۔ آخر کو اُس قوت نے گاڑیوں کو سڑکوں
پر چلایا۔ اور سڑکوں کو بھی اُن کے واسطے نئے طور کا بنایا۔ کہ اُن پر لوہے کی
پٹریاں بچھائیں۔ اور اُن پر گاڑیوں کے پہیوں کو چلایا۔ جن کو تم دیکھتے ہو
اُن سڑکوں کے بنانے میں بھی بعض مقامات پر بڑے بڑے کمال دکھانے پڑے
ان کے پُلوں کو دیکھو کہ کیسی صنعت اِن میں خرچ ہوتی ہے۔ کہیں سڑکیں زمین کے
نیچے بنائیں کہیں پہاڑوں کے بیچ میں اُن کو کھود کھلا کر کے لے گئے۔ پہاڑوں
کو اوپر سے کاٹ کر روشن دان اور روزن بنائے۔ کہ سڑکوں پر اندھیر اگھپ
نہ ہو۔ اور ہوا نہ رکے۔ اب ان ریل کی سڑکوں کو دیکھو کہ کیا جلد ہی جلدی
گاڑیاں ان پر دوڑی جاتی ہیں۔ اور مسافروں کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر

گویا اڑالے جاتی ہیں تجارت کو کیا اِنھوں نے چمکا دیا ہے۔ کہ ایک جگہ کا اسباب دوسری جگہ بہت جلد پہنچ جاتا ہے۔ یہ کیسے بڑے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں کہ ایک خرچ کم ہوتا ہے دوم وقت ضائع نہیں ہوتا ہے گھڑی بھر میں پہنچے کہیں سے کہیں ‏ ‏ ‏ یہ مرکب ہے کم خرچ بالا نشیں

لکن ور دراز فاصلوں سے لاکھوں من بوجھ کوڑیوں کے کرایہ میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کے سبب سے چیزیں کیسی ارزاں ہو گئی ہیں غیر ملکوں کی چیزیں جو کبھی خواب میں بھی دیکھنے میں نہ آتی تھیں وہ اب سستی قیمت میں ہاتھ آنے لگیں دور دور شہروں کے میوے جن کا کھانا بغیر وہاں کے جائے میسر نہیں ہوتا تھا۔ اب گھر بیٹھے کھاتے ہیں پشاور کی ناشپاتیاں کلکتہ میں اور کلکتہ کے کیلے پشاور میں کھالو۔ ناگ پور کی نارنگیاں لکھنؤ کے آم اور خربوزے کہاں کہاں جا کر بکتے ہیں اگر ریل نہ ہوتی شعر اپنے شہروں میں پڑے کے سڑ جاتے + ذائقوں میں وہ بگڑ جاتے + بعض سرزمینوں میں جو بارہ مہینے برف سے ڈھکی رہتی ہیں ایک بن پہیوں کی گاڑی ہوتی ہے جن کو گھوڑے ہرن۔ کتے برف پر خوب دوڑا سکتے ہیں +

اب دیکھو کہ انسان نے ابتدا سے آج تک کتنے طریقے اپنے سفر کے اختیار کئے ہیں پیدل چلنا۔ گھوڑے۔ گدھے۔ اونٹ۔ خچر کی پیٹھ پر سوار ہونا چھکڑے۔ گاڑی۔ رتھ میں بیلوں کو جوت کر چلانا۔ بگھی فٹن چیرٹ وغیرہ میں گھوڑوں کی جوئی کو لگا کر ہانکنا تری میں جہازوں کشتیوں کی بدولت سیر سیاحت کرنا خشکی میں ریل گاڑیوں میں سفر کرنا +

وقت

اے لڑکو میں تم کو اس سے زیادہ کسی بات کی تاکید نہیں کرتا۔ کہ تم اپنا وقت ضائع

نہ کرو۔ تم نے دیکھا ہوگا یا سنا ہوگا کہ بعض آدمی ادھی ادھی جوڑتے ہیں۔ اور پھوٹی کوڑی بے فائدہ نہیں خرچ کرتے ہیں یوں آخر کو آسودہ حال ہو جاتے ہیں ایسے ہی تم اپنے وقت کو اپنی دولت سمجھ کر اس کے ایک ایک لمحہ پر خیال رکھو کبھی اس کو بے فائدہ نہ کھو کسی کی خاطر سے اس کو مفت نہ دے ڈالو یوں اس دولت کا خزانہ ایسا جمع ہو جائے گا جو جوانی اور بڑھاپے میں کام آئے گا۔ اگر اس اپنی دولت کو تم مسرف کی طرح چند روز کے اندر بیہودہ کاموں میں اڑا دو گے تو تمھارا انجام یہ ہوگا کہ تم در بدر خاک بسر بھیک مانگتے پھرو گے اور عمر بھر سر پہ ہاتھ رکھ کے روؤ گے کسان جو اپنی زمین کو وقت پر کماتا نہیں بیج بوتا نہیں وہ فصل پر پھل پاتا نہیں ایسے ہی اگر تم اس لڑکپن کے وقت کو یونہیں گنوا دو گے۔ کوئی علم و ہنر پیشہ نہ سیکھو گے تو ساری عمر اس کا خمیازہ بھگتو گے لڑکپن کی سی فرصت فراغت تم کو کبھی میسر نہیں ہوگی جہاں تم بڑے ہوئے دنیا کے سو جھگڑے تمھارے سر پر سوار ہوئے اب تو نہ تم کو روٹی پیدا کرنے کا غم ہے نہ کپڑا بنانے کا فکر ہے جتنا تم سے ہو سکے کسی ہنر پیشہ علم کو لپٹ لپٹا کر رات دن محنت کر کے سیکھ لو جس سے ساری عمر چین آرام سے بسر ہو۔ ان اشعار کو غور سے پڑھو۔

وہ بے مول پونجی کہ ہے اصل دولت	وہ شائستہ ملکوں کا گنج سعادت
وہ آسودہ قوموں کا راس البضاعت	وہ دولت کہ ہے وقت جس سے عبارت
نہیں اس کی وقعت نظر میں ہماری	یونہیں مفت جاتی ہے برباد ساری
اگر ہم سے مانگے کوئی ایک پیسا	تو ہوگا کم و بیش بار اس کا دینا

مولوی الطاف حسین حالی

مگر ہاں وہ سرمایۂ دین و دنیا | کہ اک اک لمحہ ہے انمول جس کا
نہیں کرتے خسّت اُڑانے میں اُس کے | بہت ہم سخی ہیں لٹانے میں اُس کے
اگر سانس دن رات کے سب گنیں ہم | تو نکلیں گے انفاس ایسے بہت کم
کہ ہو جن میں کل کے لئے کچھ فراہم | یونہیں گذرے جاتے ہیں دن رات پیہم
نہیں کوئی گویا خبردار ہم میں | کہ سانس آخر ہیں اب کوئی دم میں
گڈریے کا وہ حکم بردار کتا | کہ بھیڑوں کی ہر دم ہے رکھوال کرتا
جو ریوڑ میں ہوتا ہے پتے کا کھڑکا | تو وہ شیر کی طرح پھرتا ہے بپھرا
جو انصاف کیجے تو ہے ہم سے بہتر | کہ غافل نہیں فرض سے اپنے دم بھر
وہ قومیں جو سب راہیں طے کر چکی ہیں | ذخیرے ہر اک جنس کے بھر چکی ہیں
ہر اک بوجھ بار اپنے سر دھر چکی ہیں | ہوئی تب ہیں زندہ کہ جب مر چکی ہیں
اسی طرح راہ طلب میں ہیں پویا | بہت دور ابھی ان کو جانا ہے گویا
کسی وقت جی بھر کے سوتے نہیں وہ | کبھی سیر محنت سے ہوتے نہیں وہ
بضاعت کو اپنی ڈبوتے نہیں وہ | کوئی لمحہ بیکار کھوتے نہیں وہ
نہ چلنے سے تھکتے نہ اکتاتے ہیں وہ | بہت بڑھ گئے اور بڑھے جاتے ہیں وہ

تہنیت جشن جوبلی

ہے عید کس جشن کی یارب کہ سراسر | ہے جوبلی ہی جوبلی اک اک کی زباں پر
یہ عہد کہ گذرے ہیں سن جس کو پچاس اب | ست جگ ہے یہ ہند کے حق میں کہیں بہتر

وہ دور تعصب تھا یہ ہے دورۂ اخلاق
وہ جنگ کا موجد تھا یہ ہے صلح کا رہبر

اس دورِ خجستہ میں وہ سب بجھ گئے شعلے
تھی جن کی جہاں سوز لپٹ آگ سے بڑھ کر

اس عہد نے وہ خون بھرے ہاتھ کئے قطع
جو پھیرتے تھے بیٹیوں کے حلق پہ خنجر

بیٹوں کی طرح چاہتے ہیں بیٹیوں کو اب
جو لوگ روا رکھتے تھے خونریزیٔ دختر

جب بیٹیوں نے زندگی اس طرح سے پائی
دی زندگی اک اور انھیں علم پڑھا کر

اس عہد نے کی آ کے غلاموں کی حمایت
انساں کو نہ سمجھا کسی انساں سے کمتر

دی اس نے مٹا ہند سے یوں رسمِ ستی کی
گویا وہ ستی ہو گئی خود عہدِ کہن پر

نابود کیا اس نے زمانے سے ٹھگی کو
اک قہر تھا اللہ کا جو نوعِ بشر پر

اس عہد میں انساں ہی نہیں ظلم سے محفوظ
مظلوم نہ اب بیل نہ گھوڑا ہے نہ خچر

اے نازشِ برطانیہ اے فخرِ ہر ملک
اے ہند کے گلہ کے شباں ہند کے قیصر

سچ یہ ہے کہ فاتح کوئی تجھ سا نہیں گذرا
محمود نہ تیمور نہ ہنیبل نہ سکندر

تسخیر فقط اگلوں نے عالم کو کیا تھا
اور تو نے کیا ہے دلِ عالم کو مسخر

بند اپنے فرائض میں مسلماں ہیں نہ ہندو
معمور مساجد ہیں تو آباد ہیں مندر

سمجھا ہے فقط چرچ میں اتوار کو گھنٹا
سنکھ اور اذاں گونجتے ہیں وہ برابر

گو منتِ قیصر سے ہے ہر قوم گراں بار
احساں مگر اسلام پہ ہے اس کے گراں تر

اب ہند میں کشمیر سے تا راس کماری
ہر قوم کے ہیں پیر و جواں متفق اس پر

امید نہیں ہند کے راحت طلبوں کو
راحت کی کسی سایہ میں جز سایۂ قیصر

گر کیجیے اس عہد کی سب کیجیے تحریر
کافی ہے نہ وقت اس کے لیے اور نہ دفتر

ہے اب یہ دعا حق سے کہ آفاق ہیں جبتک
آزادی و انصاف حکومت کے ہیں رہبر

قیصر کے گھرانے پہ رہے سایۂ یزداں
اور ہند کی نسلوں پہ رہے سایۂ قیصر

تہنیت جشن جیوبلی

نواب محمد علی خاں صاحب بہادر رئیس جہاں گیر آباد

آرزو کو ثمر مبارک ہو
اور دعا کو اثر مبارک ہو

رنگ و بو گلستاں کو ارزانی
نخل کو برگ و بر مبارک ہو

کاروانِ طرب کی آمد ہے
غم کو عزمِ سفر مبارک ہو

جشن پنجاہ سالگی کی خوشی
برٹش و ہند پر مبارک ہو

آپ کو اے حضورِ قیصرِ ہند
جشن باکرّ و فر مبارک ہو

فرقِ اقدس پہ اے شہ شاہاں
تاج لعل و گہر مبارک ہو

اور اے شہ جلوس شاہانہ
آپ کو تخت پر مبارک ہو

جشن صد سالگی بھی اس کے بعد
تم کو اے تاجور مبارک ہو

شہ والا کے خیر خواہوں کو
ہر مہم میں ظفر مبارک ہو

دشمنوں کے چراغِ ہستی کو
موجِ بادِ سحر مبارک ہو

غبارہ اور بیلون

کاگ یا کوئی اور ہلکی سی لکڑی کے ٹکڑے کو لے کر پانی تلے لے جاؤ اور پھر چھوڑ دو تو وہ جھٹ پٹ پانی کے اوپر آن کر تیرنے لگے گا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ پانی لکڑی کے

ٹاٹے سے زیادہ بھاری ہے۔ وہ نیچے اپنا دباؤ ڈالتا ہے۔ اور خود ڈوبنا چاہتا ہے۔ وہ اس
ہلکے ٹکڑے کو دھکیل کر اوپر اٹھا دیتا ہے۔ ہاتھی دانت کی اور ہلکی لکڑی کی گولیوں کو ایک
صندوق میں بند کر دو اور پھر صندوق کو ہلاؤ جلاؤ تو لکڑی کی گولیاں اوپر جا بیٹھیں گی اور ہاتھی
دانت کے نیچے بیٹھ جائیں گی۔ بھاری چیز ہلکی چیز کو ہٹا کر اپنی جگہ نیچے کر لیتی ہے۔ غرض
یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہلکی چیزیں اوپر ہوتی ہیں اور بھاری چیزیں نیچے۔ اگر ایک زینہ مدرسہ
میں لگاؤ اور اس پر چڑھ کر چھت پر جاؤ۔ تو نیچے کی نسبت اوپر کی ہوا گرم معلوم ہوگی
اس کی وجہ یہ ہے کہ گرم ہوا بہ نسبت سرد ہوا کے ہلکی ہوتی ہے۔ وہ اوپر چڑھ جاتی ہے۔ اور سرد ہوا
نیچے رہتی ہے۔ آدمی نے جب دیکھا کہ گرم ہوا اوپر جاتی ہے۔ تو اس نے کاغذ کا کھوکھلا گولا بنا
اس کے بیچ میں ایک چراغ ایسا جلایا کہ وہ گولے کو جلا نہ سکے اور اس کے اندر کی ہوا کو گرم
کر دے۔ لیکن جب اس ترکیب سے یہ گولا ہوا سے ہلکا ہو گیا۔ تو اس کو آسمان پر اڑایا جب تک چراغ
نہیں بجھا۔ وہ ہوا میں اڑتا رہا۔ جہاں چراغ گل ہوا زمین پر گرا۔ اسی کو لوگ غبارہ کہتے ہیں۔
بارہا تم نے ان کو اڑتے دیکھا ہو گا۔ پھر کسی آدمی کو یہ سوجھی کہ اس نے اس غبارہ کو بڑھا کر ایک
مکان کی برابر بنایا۔ اور اس کے اندر اپنے بیٹھنے کے لیے نشست گاہ بنائی۔ اس غبارہ کے اندر
گھاس پھوس کی آگ روشن کی اور یوں اس کے اندر کی ہوا گرم کر کے ہلکی بنائی۔ پھر اس کے اندر
بیٹھ ہوا میں اسے لے اڑا۔ جب اترنا منظور ہوا تو آگ کو بجھا دیا۔ اس سبب سے اندر کی ہوا
ٹھنڈی ہو کر بھاری ہوئی۔ تو یہ غبارہ جس کا نام بیلون رکھا گیا ہے۔ نیچے اتر آیا۔ جب
یہ خبر اڑی کہ ایک آدمی یوں آسمان پر اڑا۔ تو پھر حکیموں نے اس اڑنے کے لیے عجب عجب

حکمتیں ایجاد کیں۔ بیلون میں جو آگ جلائی جاتی تھی تو وہ اُس کو جلا دیتی تھی۔ اور
وہیں آدمی کی چتا بنا دیتی تھی جب یوں بیلون جلتا تھا تو بڑی بلندی سے گرتا تھا۔ پاش
پاش ہو جاتا تھا۔ اس خرابی کا علاج یہ ہوا کہ بیلون میں۔ کوئلہ گاس بھرنے کی ترکیب ایجاد
ہوئی۔ یہ کوئلہ گاس بہت ہلکی پھلکی ہوتی ہے۔ اور اس سے بیلون بہت سبک ہو جاتا ہے
جب یہ حکمت ایجاد ہوئی تو حضرت انسان کے پر لگ گئے۔ بادلوں سے اونچے اُڑے۔ اور ایسی
پہنچے کہ ہوا ہلکے ہونے کے سبب سے مشکل سے دم لیا جاتا تھا۔ برف بیلون کو لپٹی جاتی
تھی جب اُڑتے اُڑتے دل بھر جاتا نیچے اُترنے کا ارادہ ہوتا۔ تو ایک دروازہ جو
ایک سوراخ پر بیلون میں لگا ہوتا تھا رسی سے ہٹا دیا جاتا۔ اس دروازہ کے کھل جانے
سے گاس نکل جاتی اور بیلون برابر نیچے اتر آتا۔

شترمرغ

شترمرغ کے نام سنتے ہی تمھارے دل میں یہ خیال آتا ہوگا کہ وہ کوئی جانور ایسا
ہے کہ جس میں اونٹ اور مرغ دونوں کے رنگ ڈھنگ پائے جاتے ہوں گے۔ سچ ہے
اگر تم اُس کو یا اُس کی تصویر کو دیکھو تو اُس سے تم کو یہ معلوم ہوگا کہ اونٹ کے اوپر نیچے
سے دو ٹانگیں کاٹ کر دو پر لگا دئے ہیں ساری گردن تمام بدن اس کا اونٹ سے ملتا جلتا
پاؤں کے تلے ویسی ہی گدی ہوتی ہے جیسے کہ اونٹ کی۔ دُنیا میں کوئی پرند اس
کی برابر بڑا نہیں۔ اس کا قد تین گز کے لگ بھگ ہوتا ہے۔ اس کے بازو اور پر ا
بڑے اور زور آور نہیں ہوتے کہ جن سے وہ اُڑ سکے۔ مگر اُس کی ٹانگیں اور بازو ایسے مضبوط

ہوتے ہیں کہ وہ تیزی سے تیز دوڑنے والے گھوڑے سے زیادہ بھاگتا ہے۔ اس میں زور ایسا ہوتا
ہے کہ اس کی ٹھوکر سے کتّوں کا سر پھٹ جاتا ہے اور بھیجا نکل پڑتا ہے۔ اس کی لات سے آدمیوں کی
ہڈیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ یہ جانور ہندوستان میں نہیں ہوتا۔ اس کا وطن اِن ملکوں میں ہے جہاں بڑے
بڑے خشک ریگستان ہیں عرب اور افریقہ کے جنگلوں میں اِن کے غول کے غول بڑے
پھرتے ہیں وہ اور پرندوں کی طرح گھونسلا بنانے میں تکلف نہیں کرتا جب انڈے دیتا ہے تو
ریت کو کرید کر ایک گڑھا بناتا ہے۔ اس میں جن انڈوں کو چاہتا ہے کہ ان میں سے بچے نکلیں
اُن کو اس گڑھے میں رکھ دیتا ہے۔ باقی اور انڈے اس کے گرد پڑے رہتے ہیں۔ دن کو وہ
انڈوں کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔ یہ جانتا ہے کہ دھوپ کی گرمی سے ان انڈوں پر وہی اثر ہوگا
جو اس کے بیٹھ کر سینے سے ہوتا ہے۔ غرض رات کو اس کے سینے سے اور دن کو سورج کی گرمی
سے آخرکار ان انڈوں سے بچے نکل آتے ہیں اور اُن انڈوں کو کھا کر پرورش پاتے ہیں جو
باہر پڑے رہے تھے۔ مثل مشہور ہے کہ بڑوں کے بڑے ہوتے ہیں۔ شترمرغ جیسا بڑا
ہے ایسا ہی اس کا انڈا بھی بڑا ہے مرغ کے انڈے سے بیس گنا وزن میں ڈیڑھ دو سیر
موٹا ایسا جیسے چینی کا پیالہ۔ پانی پینے کے پیالے۔ اور مکانوں کی زیبائش اور آرائش
کی بہت سی چیزیں اِن انڈوں کی بناتے ہیں۔ ان کو طرح طرح سے پکا کے کھاتے ہیں۔ اہل افریقہ
کو بہت بھاتے ہیں ہمارے تو سارے کنبے کے لیے ایک انڈا کفایت کرتا ہے۔ شترمرغ کی دُم اور
بازوؤں کے پر نہایت خوشنما اور خوش رنگ ہوتے ہیں۔ اہل یورپ ان کو بڑی قیمت دے کر مول لیتے
ہیں اور ٹوپیوں میں لگا کر فخر دکھاتے ہیں۔ انھیں پروں کے لالچ سے لوگ اُن کو بڑی محنت سے شکار

کرتے ہیں اور پالتے ہیں۔ شکار کرنے کا یہ حال ہے۔ شکاری گھوڑے پر سوار ہو کر اُس کے پیچھے دو تین دن تک دوڑ دھوپ کرتا ہے۔ تو وہ اُس کے ہاتھ آتا ہے۔ اگر اُس میں دو باتیں نہ ہوتیں تو گھڑ دوڑ کے گھوڑے کا سوار بھی اس کی گرد کو نہ پہنچتا۔ اول یہ کہ وہ بہت تیز چلتا ہے۔ اِس لئے تھک جاتا ہے آرام لینے کے لئے ٹھیر جاتا ہے۔ دوسرے وہ سیدھا نہیں چلتا بلکہ ایک لہریا بناتا ہوا چلتا ہے۔ شکاری اس کے رخ پر نظر رکھتا ہے۔ اور سیدھا کم فاصلہ طے کر کے تھوڑی دیر میں اس کی حد پر جا لگتا ہے۔ جب گولی کی زد میں آتا ہے۔ تو اسے مار لیتا ہے۔ بعض اوقات بہت آسانی سے یوں شکار ہو جاتا ہے کہ شتر مرغ کئی کئی دن تک پانی نہیں پیتا۔ لیکن جب کسی چشمے۔ ندی جھیل کے پانی پر وہ جھکتا ہے تو اتنا پانی پی جاتا ہے کہ پھر دوڑا نہیں جاتا۔ شکاری مار لیتا ہے۔ ایک اور طرح جنوبی افریقہ میں شکار کرنے کی یہ ہے۔ کہ شکاری شتر مرغ کی کھال اوڑھتا ہے۔ اور اُس کے پر لگاتا ہے۔ یوں شتر مرغ کا بھیس بنا کر اُن کے غول کے پاس جاتا ہے۔ اُنھیں کی طرح زمین پر چلتا ہے پر ہلاتا ہے۔ جب ایک تیر کا ٹپہ رہتا ہے۔ تو زہر کا بجھا ہوا تیر غول پر لگاتا ہے۔ کوئی نہ کوئی شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ اِس کے ہاتھ آتا ہے۔ اِن بیچاروں کو خبر نہیں ہوتی۔ کہ ہمارا دشمن ہمارے ہی بھیس میں ہماری ہی شکل بنا کر جان لینے کے لئے یوں بغل میں زہریلے تیر لئے آتا ہے۔ شتر مرغ جو شکاریوں کے نرغے میں آ جاتا ہے۔ تو وہ اپنی گردن ریت کے اندر چھپاتا ہے۔ جانتا ہے کہ اپنے شکاریوں کی نظر سے غائب ہوں۔ پالنے کا حال یہ کہ اِن کے بچے پکڑ لیتے ہیں۔ وہ ہلانے سے جلد ہل جاتے ہیں۔ کہ ان کی پیٹھ پر بچے سوار ہوتے ہیں۔ گردن میں ہاتھ ڈال لیتے ہیں۔ جہاں بچے کا بوجھ اُس کی پیٹھ کو معلوم ہوا۔ وہ آہستہ آہستہ چلنا شروع ہوا۔ پھر وہ گھڑ دوڑ کے گھوڑے سے زیادہ تیز چال چل کر گاؤں کے گرد چکر لگاتا ہے۔ پالنے والے سال بھر میں ایک دفعہ اس کی دُم اور بازو کے پر اکھیڑ لیتے ہیں

بہت سے جانور ایسے ہیں کہ وہ ریت کے ذرّے اور پتھروں کے ریزے نگل جاتے ہیں شاید
وہ اُن کے معدہ میں جا کر خوراک کے ہضم کرنے میں مدد کرتے ہوں گے۔ اِن کی رگڑ سے خوراک
کے ٹکڑے ٹکڑے معدہ میں ہو جاتے ہوں گے۔ ایسے جانوروں میں شترمرغ تو سب سے بڑھ کر
وہ غضب کا کھاؤ اور ڈاکو ہے کہ پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑے نگل جاتا ہے۔ اینٹ روڑے
لکڑی کے ٹکڑے۔ چاقو۔ سیسہ کی گولیاں گرم گرم تپی ہوئی سب کھا جاتا ہے سنتے ہیں
آیا ہے کہ روم میں ایک پنجرے کے اندر شترمرغ مرا تو یہ الابلا اُس کے پیٹ سے نکلی۔ تین بڑے اور
گیارہ چھوٹے پتھر کے ٹکڑے۔ سات کانٹے۔ ایک لفافہ۔ تیرہ تانبے کے سکے۔ چودہ پیچ
دانے۔ ایک اٹھنّی۔ دو چھوٹی تیلیاں۔ ایک رومال۔ ایک چاندی کا تمغا۔

کھجور اور چھوہارہ

کھجور کا درخت اپنے رنگ ڈھنگ میں نرالا ہے۔ اہل عرب نے اُس کے ساتھ اپنا پھوپھی کا
رشتہ یوں نکالا ہے کہ اُس کو حضرت آدم کی بہن اس سبب سے بنایا ہے کہ جس مٹی سے اُن کا
پُتلا بنا تھا اُسی کی بچی کھچی مٹی سے یہ درخت اُگا تھا۔ پھر اُس کو آدمی سے یوں ملایا ہے
کہ جیسے انسان سر کٹنے پر نہیں جیتا اور کوئی عضو اُس کا کٹے تو اُس کا بدل نہیں ہوتا ایسا ہی حال
اُس درخت کا ہے کہ سر کٹنے پر پژمردہ ہو جاتا ہے۔ پھر شگفتہ نہیں ہوتا۔ کوئی ٹہنی اس کی کٹے تو
اُس کا بدل نہیں ہوتا۔ سوا اِس کے اُنھوں نے مثل انسان اُن میں بھی نر و مادہ قرار دیا ہے جب تک
یہ دونوں پاس نہیں اور نر کے شگوفہ کی بو مادہ کو نہ ملے تو وہ بار آور نہیں ہوتے۔ یہ خیال
اہل عرب کا ہے۔ یہاں کا حکیم گرزلسٹ اپنے تجربہ سے چھوہارہ کے باب میں کہتا ہے کہ اُس درخت کے پھول

دو قسم کے ہوتے ہیں اور ایک ایک قسم کے پھول الگ الگ لگتے ہیں ایسا نہیں ہوتا
کہ دونوں قسم کے پھول ایک ہی درخت پر ہوں انھیں پھولوں کے اعتبار سے درخت نر مادہ
کہلاتا ہے نر درخت کے پھولوں کا زیرہ جب مادہ درخت کے پھولوں پر جا گرتا ہے اس وقت مادہ درخت میں
پھل آتا ہے اس لیے ضرور ہے کہ نر مادہ درخت پاس پاس ہوں ورنہ درختوں میں میوہ نہیں حاصل ہوگا
پھولوں میں زیرہ یا تو ہوا کے ذریعہ سے پہنچتا ہے۔ یا کیڑے نر درختوں میں گھوم گھام کر جب مادہ
درختوں میں پہنچتے ہیں تو اپنے جسم میں زیرہ لگا کر لے جاتے ہیں اور اس ذریعہ سے زیرہ مادہ
درختوں کے پھولوں کو حاصل ہوتا ہے ایشیا اور افریقہ میں درخت کھجور پیدا ہوتا ہے ہندوستان میں
بھی جہاں میں ریتلی خشک بنجر ہوتی ہے وہاں وہ خود رو یا گٹھلی بونے سے یا گابہ لگانے سے
پیدا ہوتا ہے * وہ اور درختوں کی طرح شاخ در شاخ ہو کر پھیلتا نہیں بلکہ زمین سے سیدھا اٹھا ہوا
بیس تیس گز اونچا چلا جاتا ہے تنہ میں پتوں کی ٹہنیاں نکلتی ہیں اور وہ دو دو تین تین گز
لمبی ہو جاتی ہیں اور اُس کے سر چھتری کی طرح پھیل جاتی ہیں سر کو زمین کی طرف جھکاتی ہیں
گرم جنگلوں میں جہاں کی ہوا آگ ہو رہی ہو جب اس درخت کے جھنڈ مسافر کو مل جاتے
ہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ مجھے جہنم میں جنت مل گئی * اس کا پھل سرخ رنگ دار بہت شیریں ہوتا
ہے اس کے اندر گول اور لمبی سخت گٹھلی ہوتی ہے اس کے پندرہ بیس خوشے درخت کی چوٹی پر
لگتے ہیں ہر ایک ان میں دس پندرہ سیر سے کم نہ ہوتا ہوگا * یہ میوہ اہل عرب کی تو جان ہے اس کو
تازہ توڑ توڑ کر کھاتے ہیں دھوپ میں سکھاتے ہیں وہ یوں خشک ہو کر مدتوں تک رہتا ہے
سڑتا گلتا نہیں اس کو پیس کر سفوف سا بنا لیتے ہیں دور کے سخت سفروں میں اپنے ساتھ

لے جاتے ہیں اور اس میں پانی ملا کر آپ کھاتے ہیں اپنے گھوڑوں اور کتوں کو کھلاتے
ہیں گٹھلیوں کو پیس کر اونٹوں اور بھیڑوں کو دیتے ہیں۔

ہندوستان میں ان کی چھال کو چھید کر اُس کے نیچے برتن لٹکا دیتے ہیں برتن
میں اس کا رس ٹپک ٹپک کر اکٹھا ہوتا ہی اس کو سیندھی کہتے ہیں۔ وہ میٹھی مزہ دار
ہوتی ہی لوگ اس کو یوں بھی پیتے ہیں شراب بھی بنا کے اُس کے مزے اڑاتے
ہیں وہ دو ڈھائی من ایک درخت سے سال و سال نکل آتی ہی۔ اس درخت کی ہر چیز بکار
ہے پھلوں کو کھاتے ہیں رس کو پیتے ہیں کونپلوں کو اس کے ساگ کی طرح پکا کے
کھاتے ہیں پتوں کو توڑ کر بورے اور پنکھیاں اُس کی سینکوں سے ٹوکریاں چھبڑی
چھبے بناتے ہیں اس کی چھال کے ریشے سے رسیاں بٹتے ہیں کاغذ بناتے ہیں۔
لکڑی کے شہتیر کچے مکانوں میں ڈالتے ہیں **شعر**۔ ناسخ

چوب خرما سے نفع پاتے ہیں۔ چھت بناتے ہیں پل بناتے ہیں

ایک دفعہ کا ذکر سننے میں آیا ہی کہ ایک عرب انگلستان کی سیر کر کے اپنے وطن میں آیا۔ اہل وطن
رو برو وہاں کی خوبیاں بیان کرنے لگا کہ مکان ایسے عالیشان ہیں کہ آسمان سے باتیں کرتے
ہیں بازار کھلے ہوئے رستے کشادہ ہیں روپے اشرفی کا مینہ برستا ہی۔ آدمیوں کی وہ
کثرت ہی کہ جس کا شمار مشکل ہی سیکڑوں کارخانے طلسمات کا عالم دکھاتے ہیں یہ سن کر اہل عرب کا
دل حسد کے مارے جلنے لگا۔ مگر جب اس نے یہ کہا کہ وہاں ہمارا عزیز نخل خرما نہیں ہوتا تو ان کے
کلیجے میں ٹھنڈک پڑی کہ جہاں یہ ہماری پھولی پھلی جان نہیں وہاں پھر سب کچھ خاک ہے

شعر خربا جہاں نہیں ہے وہاں خس ہی نہیں — خربا ہوا اور شیر ہو پھر کچھ کمی نہیں

سن - سنی - پٹ سن - ولایتی سن - جوٹ

گو ان درختوں میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے۔ مگر وہ سب ایک نوع کے ہیں۔ سن - سنی پٹ سن کی رسی و رسیاں سُتلی - ٹاٹ - تھیلے بنتے ہیں ولایتی سن کا کپڑا بنا جاتا ہے جیسے روئی اور ریشم کے کپڑے سُوتی اور ریشمی کہلاتے ہیں ایسے ہی ولایتی سن یعنی کتاں کے کتانی - فارسی والوں نے اپنے خیال میں کتاں کا کپڑا ایسا بنایا ہے کہ چاندنی میں ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ نہیں معلوم یہ خیال کیوں کر وہاں پیدا ہوا ہے۞

اناج کے ساتھ کھیتوں میں سن کی کاشت ہوتی ہے اِس کے درخت کا تنہ پتلا نا ن سبز سیدھا دو تین فٹ اونچا ہوتا ہے۔ اِس کا پھول تِلا چمکیلا - انگشتی کی برابر سرا ہوتا ہے۔ جب وہ مرجھا کر گر پڑتا ہے تو اِس کی جگہ ڈوڈا نکلتا ہے۔ جب وہ خشک ہو جاتا ہے تو گھنگرو کی طرح بجتا ہے۔ بچے اُسے کھیلا کرتے ہیں ولایتی سن کے بیجوں کا تیل نکلتا ہے بہت کام آتا ہے۔ روغنی رنگ میں پڑتا ہے۔ اِس کی کھلی مویشی کھلاتے ہیں۔ کھُر اور پالا اکثر اِس کو مار جاتا ہے۔ گرمی کی شدت بھی اِس کو بگاڑ دیتی ہے۔ اِس لئے گرم ملکوں میں اُسے جاڑے میں بوتے ہیں اور گرمی سے پہلے کاٹ لیتے ہیں اور سرد ملکوں میں موسم بہار میں بوتے ہیں کھُر۔ پالا پڑنے سے پہلے کاٹ لیتے ہیں۞

جب وہ پورا درخت بڑھ کر ہو جاتا ہے تو اُسے اُکھیڑ لیتے ہیں اور اس کے پولے مگدر کی شکل کے بنا کے کھڑا کر دیتے ہیں۔ اور اُس کو سُکھاتے ہیں

اور کل سے بیج نکال لیتے ہیں اور پھر اُن کو تالابوں میں جن میں پانی کم ہوتا ہے دبا دیتے ہیں
اور اُس کو سکھاتے ہیں ریشے جدا کرتے ہیں ان کو توم کر اور کات کر سوت بناتے ہیں۔
اور سوت سے کپڑے بنتے ہیں اور کپڑوں سے بہت سی چیزیں بناتے ہیں جو استعمال میں آنے سے
پھٹ پھٹا کر گودڑ ہو جاتے ہیں اس گودڑ کو کاغذ بنانے کی کلوں کے کارخانہ (پیپر مل) میں
بھیجتے ہیں وہاں اُن کا نہایت صاف ستھرا اُجلا برف سے زیادہ سفید کاغذ بنتا ہے۔ اس
مضمون کو ہم ایک اور پیرایہ میں لکھتے ہیں سن کھیت میں اپنے حسن پر مرتا تھا۔ اور سر
آسمان پر اُٹھائے لیتا تھا کہ میرے پھولوں پر کیا جوبن ہے آدمی میری کیسی تعریف
کرتے ہیں ہلکا مینہ مجھے تر و تازہ کرتا ہے دھیمی دھوپ میرے پھولوں کو کھلاتی ہے نرم
نرم ہوا مجھے ٹھنڈا کرتی ہے۔ مجھ سے زیادہ کون خوش حال ہوگا اس گھمنڈ میں تن تن کر
اکڑتا تھا کہ آدمی نے آن کر جب پیڑ سے اکھیڑ لیا جڑیں کاٹ دیں بیج نوچ ڈالے مٹھے باندھ کر
تالاب میں ڈال دیا اور وہاں سے سڑا کر نکالا ریشے ریشے جدا کئے پھر اُن کو تکلوں پر
چڑھایا ؎ مغرور کو ذلیل بھی ہونا ضرور ہے ؎ اُس کی سزا یہی ہے کہ جس کو غرور ہے ؎
یوں اُس کی صورت بدل کر کپڑا بننے کے کارخانہ میں بھیجا۔ وہاں جا کر اس کا بہت پاکیزہ
سفید کپڑا بنا۔ اس اپنی حالت کو دیکھ کر پھر غرور کے مارے پاؤں پھیلائے اور ڈینگیں مارنے لگا
ابھی مصیبتوں کی حالت سے نکلا تھا کہ اس پر اور آفت آئی کہ بزاز کی دکان پر گیا وہاں
سے درزی کی دکان میں جا نکلا درزی نے اس کے پارچے پارچے کئے۔ سوئی سے خوب
اُس کے سینے چھیدا اور سی کر انگرکھا۔ کرتی۔ چادر۔ تولیہ اور چیزیں بنائیں ان میں

کثرت استعمال سے کوئی دستمال بنا۔ کوئی پھٹ پھٹا کر چیتھڑے ہو گیا۔ کوئی گھس گھسا کر
گدڑ گودڑ ہو گیا۔ جب اس کی نوبت پہنچی۔ تو پیپر مل میں گیا۔ وہاں جا کر پاکیزہ سفید کاغذ بنا
سخنوروں کا وہ کلام اس پر لکھا گیا کہ جسے جاہل پڑھ کر عالم بنے۔ بیوقوف عاقل ہو جائے
اب سن پھر اپنی یہ حالت دیکھ کر اسپر اپنی بڑائی کرنے لگا۔ کہ میرا حال ہمیشہ اچھا ہو جاتا
ہے۔ پہلے میں ایک درخت تھا۔ اب علم کے سبق کا ورق بنا۔ کچھ دن نہ گذرے کہ وہ
چھاپہ خانہ گیا۔ وہاں اس کی نقل سیسے کے حرفوں میں اتری۔ اس سے ایک کتاب کیا
بلکہ ہزاروں کتابیں چھپیں اس بیچارے کو کسی نے کھدڑے میں پھینک دیا۔ وہاں پریشان
پڑا رہا۔ پھر وہ جلایا گیا۔ اب پھر دماغ آسمان کو چڑھا۔ اور غرور میں آن کے بولا کہ
دیکھو میں نے کیا رستہ اپنا آسمان پر چڑھنے کا نکالا ہے۔ اس کے بعد پھر کوئی
آواز اس کی ہمارے کان میں نہ آئی ✤

شیر

اے شیر تو نے پایا ہے طاقت کا نوشین
شاہی کے حق میں کوئی ترا مدعی نہیں

پیدا ہے تیرے رخ سے تری شوکت و جلال
ظاہر ہے تیری شکل سے باطن کا تیرے حال

دل تیرا بزدلی و غلامی سے ہے بری
بھٹکے نہ تیرے پاس کبھی خوف اے جری

تیرا حریف کون ہے جو تو ہٹے بچے
جھکے نہ تیری آنکھ نہ گردن تیری لچے

حق نے عطا کیا تجھے زور بے خلل
فولاد کی رگیں ہیں تو ہے دل تیرا اٹل

جوشن ہو چار آئنہ یا خود آہنی
گر سعد رہا ہے کوئی میدان کا دھنی

حملے سے تیرے بچنے کو کافی نہ ہو مگر — اللہ رے تیرا حوصلہ بل بے تیرا جگر
غرّا کے شیر کرتا ہے جب شور و خروش — صحرا تمام ہوتا ہے سنسان اور خموش
پہچانتے ہیں جانور آواز شیر کی — اُس ہول صدا سے دہلتا ہے سب کا جی
جاتی ہے اُن کے پاؤں تلے کی زمیں نکل — ہیں بھاگتے کہ گویا تعاقب میں ہے اجل
اے شیر گرم خطہ ہے تیرے لئے وطن — بیہڑ ہو نیستاں ہو جھاڑی ہو یا ہو بن
تو ہو کہ گرم دھوپ ہو یا ریت کا ہو تھل — تم ہیں جہاں کہیں مسافر کی ہے اجل
اے شیر تو ہی شاہ ترا تخت ہے کچھار — ہے کس کو تیرے ملک میں دعویٰ گیر و دار

مدرسے میں مہمان

ایک مدرسے میں استاد شاگردوں سے ایک نقشہ کی مشق کرا رہا تھا۔ اور اُن پر تاکید کر رہا تھا کہ اِس نقشہ کو خوب دیکھ کر جتنا اور جیسے بُری بھلی نقل ہو سکے کرو۔ کچھ ضرور نہیں ہے کہ تم اِس کی پوری پوری ہو بہو نقل اتارو بعض لڑکوں نے اُستاد کا کہنا مانا دل لگا کر نقل کرنے میں کوشش کی بعض کا ہاتھ ایسا کانپ گیا کہ نقشہ بگڑ گیا۔ کئی ایک لڑکے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے کہتے رہے کہ ہم سے تو یہ نقشہ بنے گا نہیں ❊

اُستاد نے اُن سے کہا کہ تم خالی بیٹھے کیوں مکھیاں اُڑا رہے ہو نقشہ کی نقل کیوں نہیں اُتارتے۔ ایک لڑکے نے جواب دیا کہ جناب مجھ سے تو یہ نقشہ بن نہیں سکتا۔ دو تین اور لڑکے بھی یہی بول اُٹھے کہ اس نقشہ کا اتارنا ہمارے بس کا کام نہیں یہ سُن کر اُستاد نے کہا کہ ہمارے مدرسے میں کیا ایک بے ڈھب مہمان آیا ہے۔ یہ سُن کر ایک چھوٹے لڑکے نے پوچھا

کہ مہمان کسے کہتے ہیں۔ اس کی بہن نے ہنس کر کہا کہ تم ایسے ننھے ہو کہ مہمان نہیں جانتے۔ کیا
کبھی خالہ نانی کے گھر نہیں گئے۔ جب ہم ان کے ہاں جاتے ہیں تو ہم ان کے ہاں مہمان ہوتے ہیں جب ہمارے
گھر آتے ہیں تو ہمارے مہمان وہ ہوتے ہیں۔ اب اور لڑکے ادھر ادھر تاکتے جھانکتے تھے کہ
مہمان کدھر ہے۔ کیونکہ ہم سب پچاس لڑکے لڑکیوں کی نظر بچا کر گھس آیا۔ استاد نے
کہا کہ یہ شریر بدذات مہمان تم کو نظر نہ آئے گا۔ وہ یہاں موجود ہے مجھے اور تمھیں دونوں
ناخوش کرے گا۔ تم اب سبق کو اٹھا رکھو۔ پہلے اس مہمان کا قصہ چکا دو۔ تم کو یہ بات پسند
ہوگی کہ وہ تمھاری اس آرام گاہ میں چین کیا کرے۔ اور تمھارا رفیق بن کر سبق یاد نہ
کرنے دے۔ اور تمھارا دماغ آسمان پر پہنچا دے۔ لڑکوں نے کہا حضرت ہم ایسے مہمان کے
منہ پر تھوکیں بھی نہیں۔ وہ ہمارا مہمان کاہے کو ہے۔ جانی دشمن ہے۔ ہم تو اس پاجی مردود کو
گھر سے نکال باہر کریں اور کہہ دیں کہ خبردار تو کبھی اس طرف رخ نہ کیجیو۔ پھر کواڑ ایسے
بند کر دیں کہ وہ ہزار چاہے مگر اندر نہ آنے پائے۔ استاد نے شاگردوں کو بہت
شاباش دی۔ اور کہا کہ خوب جواب دیا۔ اس مہمان کا نام ہے **میں نہیں کر سکتا**
اب میں دروازہ کھولتا ہوں تم سب اس کو باہر نکال دو۔ اور کبھی اپنے دل کے گھر میں نہ آنے دو
بھول کر بھی اس کا نام نہ لو۔ وہ ایسا بدذات ہے کہ نہ تم کو لکھنے پڑھنے دے گا نہ کوئی اور
کام کرنے دے گا۔ لڑکوں نے خوشی خوشی کہا اچھا اچھا۔ استاد نے دروازہ کھولا لڑکوں
نے یہ نعرہ مارا کہ **میں نہیں کر سکتا** تو ہمارے مدرسے سے نکل کر اپنا منہ کالا کر۔ کبھی
اپنی صورت ہم کو نہ دکھا۔ ہم تو کبھی تیرے نام کا کتا بھی نہ پالیں گے۔ استاد اس مہمان کو

نکال۔ شاگردوں سے ہنس ہنس کر ایسی باتیں کرنے لگا جس سے لڑکوں کا دل خوش ہو گیا۔ میں نہیں کر سکتا کبھی اِس مدرسہ میں نہیں آیا کسی اور مکتب میں چلا گیا۔

گدھا

تم نے عمر بھر لدّو گدھے دیکھے ہیں تم یہی جانتے ہوگے کہ ساری دنیا میں گدھے کی یہی دُرگت ہوتی ہوگی کہ سارے دن وہ لدتا ہوگا۔ بوجھ کے مارے بیٹھ بیٹھ جاتا ہوگا جب کبھی آرام کے لئے دم لیتا ہوگا۔ یا مریل چال چلتا ہوگا۔ تو ڈنڈوں پر ڈنڈے پٹتے ہونگے کہ کھال میں لال لال زخم پڑتے ہونگے۔ مگر تم یہ جان لو کہ دنیا میں بعض ملک ایسے بھی ہیں کہ وہاں اِس خر پر چڑھ کر وہی فخر ہوتا ہے جو تم کو گھوڑے پر۔ وہاں اِن گدھوں کی وہی خاطریں ہوتی ہیں جو تم گھوڑوں کی کرتے ہو۔ اُن کو بڑے لاڈ پیار سے چونچلوں سے پالتے ہیں اُن کی گردنیاں اور سارے بدن چمکتے ہوئے۔ اہیں چاندی کے طوق اُن کی گردن میں ڈال لیتے ہیں (طوقِ [illegible] ہمہ در گردن) خر جنیں پر وہاں کسی کو اعتراض نہیں ہوتا۔ گھوڑوں کی طرح دانہ چارہ مہیا کر اُن کو کھلا کھلا کر خوب تیار کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں جیسا گدھا ذلیل اور خوار جانور ہے ایسا کبھی اور کوئی جانور نہیں۔ نہ اُس کے بدن پر کھریرہ پھیرا جائے نہ کبھی اُسے صاف کیا جائے۔ ہمیشہ میلا کچیلا رکھتے ہیں جب کسی کو پرلے درجہ کا احمق کہنا ہو تو اُسے گدھا یا گدھے کا بچہ کہتے ہیں۔ مگر گدھے کو احمق کہنا گدھا پن ہے۔ وہ اپنی عقل و دانش میں گھوڑے سے ہرگز کم نہیں ہوتا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک مکان میں ایک گدھا اور بہت سے گھوڑے بند ہو گئے۔ سب بھوکے تھے چاہتے

اگر کہیں قسمت ہی سے آزاد ہوں اور باہر نکلیں مگر ناچار تھے کوئی رستہ باہر جانے کا نہ ملتا تھا
گھوڑے تو یونہیں چاپ ٹوئے مارتے پھرے۔ مگر گدھے کو یہ سوجھی کہ اُس نے کواڑوں کے کھٹکے
کو دانتوں سے اُٹھا لیا اور دروازہ کھول لیا۔ یوں سب کو باہر جانے کا رستہ بتلا دیا۔
سب کو قید سے چھڑا دیا۔ ایک دفعہ کسی امیر اشراف کے دل میں آیا کہ گھڑ دوڑ تو ہمیشہ ہوتی ہے
گدھا دوڑ کا تماشا خلقت کو دکھاؤں اور خوب اُن کو ہنساؤں اُس نے اشتہار دیدیا کہ
اُس تاریخ گدھا دوڑ ہوگی جس کا گدھا سب سے پیچھے جائے گا وہ بازی جیتے گا اور انعام
پائے گا۔ اب مالک اپنے گدھوں پر سوار نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے کہ اگر وہ سوار ہوتے
تو اپنے گدھوں کو ایک قدم نہ چلاتے تاکہ سب سے پیچھے پہنچے۔ مگر ایک لڑکے کو بازی جیتنے
کی تدبیر یہ سوجھی۔ کہ اُس نے اپنے گدھے کو یہ سکھایا۔ کہ جب وہ سیٹی بجائے تو ٹھیر
جائے۔ جب گدھا دوڑ کا دن آیا تو وہ کسی اور شخص کے گدھے پر سوار ہوا
جب دوڑ شروع ہوئی۔ اس نے سیٹی بجائی۔ اس کا گدھا ٹھیر گیا۔
یوں بازی وہ جیت گیا۔

حکایت

طوطا کہانی

کسی شہر میں بزنام ایک شخص ریشمی کپڑے بُنتا تھا اور ایک مدت اس کام سے ہاتھ نہ اُٹھایا
لیکن اسے کچھ فائدہ نہ تھا۔ اور دوسرا کپڑے بُننے والا اُس کا ایک دوست تھا۔ ایک دن
وہ اُس کے گھر گیا اور اُس نے دیکھا کہ گھر اُس کا زر و زیور مال و اسباب سے دولتمندوں کی طرح بھرا
ہے حیران ہوا اور اپنے جی میں کہنے لگا کہ میں کپڑا لائق دولتمندوں کے

اور قابل بادشاہوں کے بناتا ہوں کیا سبب ہے کہ میری روٹی کو لون بھی میسر نہیں اور اس گندہ باف نے اتنی دولت کہاں سے پیدا کر لی اسی فکر میں اپنے گھر آیا اور اپنی جورو سے کہنے لگا کہ میں اس شہر ناپرساں میں نہ رہوں گا۔ کیونکہ یہاں کے لوگ میری قدر نہیں جانتے اور میری کاریگری کو کوئی نہیں سمجھتا لازم ہے کہ کسی اور شہر میں جاؤں وہاں میرا کسب چلے گا۔

شعر میں اب شہر بیگانہ میں جاؤں گا ✤ زر و نقد وہاں سے کما لاؤں گا ✤

یہ سُن کر اُس کی عورت مسکرائی اور یہ بیت پڑھنے لگی ✤ **بیت**

یہی بخت گر یہاں سے لے جاؤ گے ✤ تو کیا خاک وہاں سے کما لاؤ گے

پھر سمجھانے لگی کہ اپنا ملک چھوڑنا مناسب نہیں ہے مت جا جو تیری قسمت میں ہوگا سو یہیں ملے گا۔ اور اُس سے زیادہ کہیں نہ ملے گا۔ القصہ اس نے اس کا کہنا نہ مانا کسی طرف چلا گیا۔ اور ایک شہر میں جا پہنچا۔ مدت تک وہاں اپنا کسب کرتا رہا جب بہت سے روپے پیدا کئے تب گھر کی راہ لی ✤ ایک رات کسی جگہ اُترا اور آدھی رات تک جاگا۔ آخر مارے نیند کے سو گیا کہ ایک چور آیا تھیلی روپوں کی لے گیا۔ زرّینہ بھی چونکا اور اس کے پیچھے دوڑا جب اُس کو نہ پکڑ سکا تب لاچار پھر اسی شہر میں گیا۔ جب بہت روپے پھر جمع کئے تب گھر کو روانہ ہوا ✤ پھر رات کے گئے کسی جگہ اُترا اور مال کی ہر چند احتیاط کی لیکن اس کو بھی چور لے گیا ✤ تب اس غریب نے اپنے جی میں کہا کہ نہ میری قسمت میں نہیں ہے۔ اس سبب سے چور لے جاتا ہے۔ آخر خالی ہاتھ اپنے گھر گیا اور احوال اپنا جورو سے کہا ✤ اُس نے جواب دیا کہ میں نے تجھے پہلے ہی کہا تھا کہ نصیب کے سوا کسی جگہ کچھ نہ پاوےگا

کہنا میرا تو نے نہ سُنا اور سفر کیا۔ کہہ اب کیا فائدہ اُٹھایا تو نے ؟

مینہ کی بوندیں

دیکھتے ہو کہ مینہ کی بوندیاں گھٹا کی چھاتی سے لگی رہتی ہیں اُسی کی گود میں کھیلتی ہیں اُسی کو اپنی دودھ پلائی دایہ سمجھتی ہیں جب یہ دایہ اُن سے اپنے رشتہ تعلق کو ڈھیلا چھوڑ دیتی ہے۔ تو وہ اُس سے جدا ہو کر نیچے گر پڑتی ہیں۔ ایک بوند کا نام موتی تھا۔ دایہ کو اُس سے رشتہ تعلق توڑنا تھا۔ تو اُس سے موتی کو ایسا خوف پیدا ہوا کہ وہ لرزنے کانپنے لگی۔ دایہ سے گڑگڑا کر عرض کرنے لگی کہ خدا کے واسطے مجھ سے حضرت رشتہ تعلق نہ توڑیئے اور اپنے قدموں سے جُدا نہ کیجئے۔ اِس پر دایہ نے گھُرک جھڑک کر کہا کہ نیچے جانے میں کیوں تیری جان نکلتی ہے۔ کیا وہاں تجھے کوئی کھا جاوے گا۔ تیرے حق میں وہاں جانا بہتر ہے۔ موتی ڈرتے ڈرتے اِس پر بولی کہ کبھی جناب بھی نیچے تشریف لے گئی ہیں۔ دایہ نے جواب دیا کہ مجھے وہاں جانا اچھی طرح تو یاد نہیں مگر خیال ہے کہ شاید وہاں گئی ہوں۔ موتی نے منت کر کے عرض کی کہ جناب ابھی مجھے اپنے دامن سے لگا رکھیے جُدا نہ کیجیے۔ کس طرح نیچے جانے کو میرا جی نہیں چاہتا۔ وہاں موت نظر آتی ہے۔ دایہ نے اُس کا جواب دیا تھا کہ بادل کی وہ گرج ہوئی کہ یہ جواب اس شور میں موتی کے کان تک نہ پہنچا۔ پھر موتی لرزتی کانپتی بولی کہ اے گرج تو نے مجھ پر بڑا ستم کیا۔ تیرے خوف نے مجھے ہلا مارا۔ ڈرا کر جان نکال لی۔ میری جان تو پہلے ہی نیچے جانے سے نکلتی ہے۔ اب ایک اور خوف لگ رہا ہے کہ میری بہنیں جو نیچے جانے کے لئے جلدی کر رہی ہیں مجھے آن کر نہ گھیر لیں اور کہیں کہ چلو بُوا۔ اچھی میری دایہ تم سچ سچ بتاؤ کہ میرے نیچے جانے میں

کوئی خرابی تو نہیں پیش آئے گی۔ دایہ نے کہا کہ بیٹا مجھے تو اس کا وہم بھی نہیں کہ وہاں جانے میں ذرا بھی تمہارا بال بیکا ہو گا۔ تم اپنی اور بہنوں کو دیکھو کہ وہ کیسی خوشی مناتی ہوئی نیچے جاتی ہیں یہ تمہاری ننھی سی بہن چاندی کی گولی دیکھتے ہو نیچے جانے کے شوق میں بیتاب ہے۔ مگر میں اس کو جب تک بڑی نہ ہو گی جانے نہ دوں گی۔ موتی نے رو کر کہا کہ آپ مجھے بھی جب تک اُس کے ساتھ رکھئے کہ یہ میری ہوا بڑی ہو کر نیچے جانے کے قابل ہو۔ دایہ نے پھر موتی کو محبت سے تاکید کر کے کہا کہ اب تمہاری رخصت کا وقت آگیا ہے۔ اللہ بیلی اب جاؤ۔ باتیں نہ بناؤ۔

موتی یہ سن کر جب نیچے چلی۔ چاروں طرف چھوٹی موٹی بوندیاں آگے پیچھے بات و کی رو پیچھے چلنے لگی۔ تو جل میں آیا ہونے لگی۔ موتی یہ دیکھ کر گھبرائی اور سوچی کہ جہاں تک ہو سکے اس بھیڑ بھاڑ سے بچ کر نکل بھاگے۔ سب سے پہلے اکیلے ہی زمین پر پہنچ جائیے اسی خیال سے وہ جتنی بڑھتی گئی اپنی چال بڑھاتی گئی اتنے میں ستاروں کے چراغ سورج نے گل کر دیے۔ سارے میں اندھیرے سے اُجالا ہو گیا۔ اب موتی نے جو مشرق کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا۔ تو جو بوندیاں اُس کے پیچھے چلی آتی تھیں وہ ایک کمان بنائے ہوئے ہیں اور اپنی سرخ۔ سبز۔ نارنجی۔ نیلی رنگتوں کی جھمک دکھا رہی ہیں اُس نے یہ دیکھ کر دل میں کہا کہ ان ننھی بوندوں کے چہرہ کا رنگ کہہ دیتا ہے کہ وہ کیسی خوش و خرم ہیں میں ہی ایک کم بخت دکھیاری ہوں۔ کہ غم کی ماری ماری پڑی پھرتی ہوں نہیں معلوم کہ میرے نصیب میں کیا بدا ہے۔ کیا کسی نیلے پانی کے بڑے تالاب میں جا ہوں گی یا کسی جنگل میں

غارت ہوں گی خیر اس خرابی پریشانی میں وہ چلی جاتی تھی۔ کہ ایک مہاراجہ کا اونچا راج محل اس کو
نظر پڑا۔ اس کے بیچ چمکدار اس کے قدموں کے پاس آتے ہوئے معلوم ہوا مگر موتی کو یہی خوف
لگا ہوا تھا۔ کہ ابھی میرا سر اس کے فرش کے پتھروں سے جا کر لگے گا۔ اور پاش پاش ہو جائے گا
اس اندیشہ میں تھی کہ دفعتاً اس محل کی کھڑکی سے رانی نے اپنا چاند سا مکھڑا باہر دیکھنے
کے لئے نکالا کہ مینہ کا طوفان تھما یا نہیں اس کا سر باہر نکلا ہی تھا کہ اس کی آنکھ
میں جھٹ موتی آن کر گھس گئی۔ رانی اس سے بڑی خوش ہوئی۔ گو آنکھ میں کھٹک ایسی
ہوئی کہ وہ سرخ ہو گئی مگر موتی کی یوں جان بچ گئی۔ وہ رانی کی بڑی احسان مند تھی
لیکن وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ میں اپنے آرام کے لئے کسی دوسرے کو تکلیف دوں۔ رانی
کی آنکھ کا کھٹکا اس کے دل میں کانٹا سا کھٹکتا تھا۔ وہ اس سوچ بچار میں تھی کہ
کہ یہاں سے کیونکر نکلوں کہ اس کو رانی کی انگیا میں ایک گلاب کا پھول لگا
ہوا نظر آیا۔ اس میں وہ جلد چلی گئی۔ اس سفر میں اس ننھی سی جان کے لئے یہ گلاب
بہشت تھا۔ اب بوندیوں کا اوپر سے آنا موقوف ہو گیا تھا بہت تو ان میں سے
ایسی غارت غول ہوئیں کہ کہیں ان کا پتا نہ لگا بعض پھر الٹے پاؤں واپس چلی گئیں اور
اپنی دایہ کے گلے سے جا لگیں۔ یہ دیکھ کر موتی کا دل بے قرار ہوا کہ میں بھی کوئی تدبیر ایسی
نکالوں کہ جہاں سے آئی ہوں وہیں چلی جاؤں مگر وہ ایسے قید خانہ میں پھنسی تھی کہ اس سے
نکلنا مشکل تھا۔ اپنے بس چلتے بہت کوشش کی مگر اس گرفتاری سے نہ نکل سکی
اب دھوپ نکل آئی رانی راجہ کے دربار میں جانے لگی ~~~ رانی کے ملکے بانہ ددھا

کھلے اور دل بھی ہلکا ہوا۔ تو وہ اپنے ہی زور کا بھروسہ کرکے ہوا پر چلی۔ اگرچہ ہوا میں کوئی بٹیا نہ تھی کہ اُس پہ چلتی۔ یونہیں اٹکل پچو چلی وہاں پہنچ گئی جہاں اُس کو جانے کی خوشی لگ رہی تھی ✣

جنگلی بطخ یعنی مرغابی

بطخ کو لوگ بھونڈا اور بے ڈھنگا اس سبب سے کہتے ہیں کہ ڈیل اس کا بھدا ہے۔ گردن بانس سی لمبی چلی گئی ہے۔ پھر اس پر چونچ پھاوڑا سی لگی ہوئی ہے۔ چال بھی بھدی کو ڈھنگی ہے یہ سب باتیں ہیں مگر وہ لوگ جو اِس کو بھولا جانور کہتے ہیں اُس پر تہمت لگاتے ہیں۔ دیکھو وہ اپنی حفاظت کیسی کرتی ہے۔ تم نے بارہا سُنا ہوگا۔ کہ گاڑی گھوڑے کے نیچے کتنے بلّی مرغے آن کر دب گئے۔ مگر کبھی کسی پلی ہوئی بطخ کو نہ سُنا ہوگا کہ وہ یوں دبی ہو تم ہزار طور سے چاہو کہ اپنی گاڑی کو اُس پر لے جاؤ مگر اُس کی دیکھنے اور سُننے کی قوتیں وہ بلا کی تیز ہیں بھلا وہ اس آفت کو کب اپنے سر پر آنے دیتی ہے۔ اس ہوشیاری کو دیکھو کہ جب کوئی اِن کا غول سوتا ہے یا کھاتا ہے تو ایک اُن میں سے کھڑا ہو کر پاسبان بنتا ہے۔ جب کوئی آفت بلا نظر آتی ہے تو وہ غل مچا کر سب کو خبر کرتا ہے۔ ایک قصہ مشہور ہے کہ شہر روم کو غارت اور تباہ ہونے سے اِس بطخ کی آواز نے بچا دیا تھا ✣

جب کوئی بطخوں کا غول کسی نو کاشت کھیت کو کھانے کے لیئے تاک لیتا ہے۔ تو اس کے گرد چاک پھیریاں پھرتا ہے۔ جب خوب جانچ لیتا ہے کہ یہاں کوئی خوف و خطر نہیں جب اُس میں اُتر کر چُگتا ہے۔ اور غول میں جو بڑا ہوتا ہے وہ کھڑا پہرا دیتا ہے۔

اور آپ دانہ نہیں کھاتا ہے۔ اور جب وہ جانتا ہے کہ میں اپنا پہرہ پورا دے چکا تو دوسرے کو پہرہ پر بٹھاتا ہے جب ان کا غول اڑتا ہے تو ایک قرینے ٹکڑیاں ہوتی ہیں مگر پھر ایک مثلث کے دو ضلعوں کی شکل میں صفیں بنا کر اڑتی ہیں سرگروہ آگے ہوتا ہے جب وہ تھک جاتا ہے تو اپنے پاس کی بطخ کو اپنا کام سپرد کرکے سب سے پیچھے کی قطار میں چلا جاتا ہے۔ پلی ہوئی بطخوں کی بہت سی کہانیاں مشہور ہیں چند لکھی جاتی ہیں ٭

ایک بطخ ایک صاحب پر ایسی عاشق ہو گئی کہ سارے شہر میں ان کے ساتھ سایہ کی طرح پیچھے پیچھے لگی رہتی تھی ان بازاروں میں بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی تھی۔ جن میں آدمیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوتے تھے اور غل شور کے مارے کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی ایک دن وہ صاحب کے ساتھ چلی صاحب نے حجامت بنوائی تو وہ انتظار میں بیٹھی رہی پھر وہ ایک دوست سے ملنے گئے اور بڑی دیر تک وہاں باتیں کرتے رہے تو وہاں بھی ان کی راہ تکتی رہی ٭

ایک بڈھی بیگم صاحبہ اندھی تھیں انھوں نے ایک بطخے کو ایسا سدھایا تھا کہ وہ ان کا دامن پکڑ لیتا۔ اور گرجا گھر پہنچا دیتا بیگم صاحبہ نماز پڑھتیں تو گرجا گھر کے صحن میں گھاس چرتا پھرتا جب وہ نماز سے فارغ ہوتیں تو پھر ان کا دامن پکڑ کر ان کو گھر لے آتا۔ ایک دن ان بیگم صاحب کے ہاں کوئی عزیز آیا اس نے ان کی لڑکی سے پوچھا کہ تمھاری ماں کہاں ہیں لڑکی نے کہا کہ باہر گئی ہیں اس عزیز نے کہا کہ کوئی ان کے ساتھ بھی گیا ہے اکیلی تو نہیں گئیں جب سے رستے میں خوف و خطر ہو۔ اس لڑکی نے جواب دیا کہ

اُن کا بطخ کا ساتھ گیا ہے۔ وہی اُن کی آنکھیں ہیں وہی اندھے کی لاٹھی ہے کچھ ڈر نہیں +

بلّی پر ایک بطخ ایسی عاشق ہو گئی کہ اُس کو اپنی پیٹھ پر بٹھائے پڑی پھرتی جب وہ اُس سے الگ ہوتی تو اس کی جان بے چین ہوتی ہی ہر وقت خوشی تھی کہ بلی میری پیٹھ بیٹھی رہے پروں کی طرح لگی رہے الگ نہ ہو +

ایک بطخ کو لومڑی نے بھبھوڑا ہی ہوتا مگر ایک کتّے نے اسکو بچا لیا۔ اس جان بچانے کا احسان بطخ نے عمر بھر مانا اور کتّے کا ساتھ کبھی نہ چھوڑا۔ سدا اُس کے ساتھ رہتی جب وہ سو جاتا تو وہ اُس کی چوکسی کرتی کوئی آفت بلا سر پر نہ آنے دیتی +

بطخ کو جب تک تم نہ ستاؤ وہ تم کو نہیں ستاتی۔ میں لڑکا تھا ایک بطخ کو میں نے بہت دق کیا تو وہ میرے پیچھے دوڑی۔ اور میرے کپڑے پکڑ لئے۔ پھر ایسی چیخ ماری کہ میں یہ کہتا ہوا بھاگا کہ کوئی دوڑیو مجھے بچائیو +

ظفر کی غزلیں

ہمیں میں رنج بھی ہے اور راحت بھی ہمیں میں ہے
جہنم بھی ہمیں میں اور جنت بھی ہمیں میں ہے

کسی سے دوستی ہم کو کسی سے دشمنی ہم کو
محبت بھی ہمیں میں ہے عداوت بھی ہمیں میں ہے

کہیں مشہور ہم عاقل کہیں بدمست لا یعقل
ہشیاری بھی ہم میں اور غفلت بھی ہمیں میں ہے

مثال آئنہ دیکھو ہمارے غور سے جوہر
صفائی بھی ہمیں میں ہے کدورت بھی ہمیں میں ہے
کبھی ڈرتے ہیں پشہ سے کبھی لڑتے ہیں شیروں سے
کہ بے جرأت بھی ہم ہیں اور جرأت بھی ہمیں میں ہے
کہیں سر در گریباں ہیں کہیں دست و گریباں ہیں
تحمل بھی ہمیں میں ہے جہالت بھی ہمیں میں ہے
بھڑیں تو سو پہاڑوں سے دبیں تو ایک تنکے سے
کہ بے طاقت بھی ہم ہیں اور طاقت بھی ہمیں میں ہے
نہیں غیر از صلاح و خیر وہاں تو اور کچھ ہرگز
ظفر شر بھی ہمیں میں ہے شرارت بھی ہمیں میں ہے

یہ دنیا ہے اوکھٹ گھاٹی پگ پگ بہت پھیلاؤ جی
اتنے ہی پھیلاؤ کہ جس کے سکھ سے دکھ نہ پاؤ جی
اس دنیا کے جتنے دھندے سگرے گورکھ دھندے ہیں
ان کے پھندے جانہ پڑو تم ان میں نہ من الجھاؤ جی
یہ منوا ہے مورکھ لوبھی سب ہی پہ للچاوے ہے
چاتر ہو تو اس مورکھ کو جیسے بنے سمجھاؤ جی
جس کاج کا ہونا کٹھن تم من میں اپنے جانتے ہو

اُس کی دیا سے سہج وہ سمجھوا تنا نا گھبراؤ جی

عمرا کارت تم نے کھوئی کچھ تو ادھر کا دھیان کرو

بہت گئی اور تھوڑی رہی ہے یہ بھی یوہیں گنواؤ جی

سُدھ بدھ دی کرتار نے تم کو سوچ سمجھ کر کرنا کچھ

ایسی کرنی مت کرنا جو کر کر پھیر پچھتاؤ جی

کہئے نہ بھولا اُس کو ظفرؔ جو صبح کا بھولا سانجھ کو آئے

چھوڑ کے سگرے جھگڑے اپنا رب سے دھیان لگاؤ جی

ہاتھی کا تولنا

میں نے اپنے لڑکوں سے کہا کہ جو کوئی تم میں سے میرا ہاتھی تول کر بتلا دے کہ وہ کتنا وزن میں ہی تو میں اُس کو پیٹ بھر کر مٹھائی کھلاؤں گا۔ اِس پر لڑکے ہنس کر کہنے لگے کہ واہ حضرت آپ نے بھی کیا چھوٹی سی چیز کے تولنے کو فرمایا ہی۔ بھلا کہیں ہاتھی بھی تُلے ہیں ہم کہاں ایسی ترازو یا ڈنڈی لائیں کہ اُس کے ایک طرف پلڑے میں آپ کے ہاتھی کو بٹھائیں اور دوسری طرف پلڑے میں بٹ چڑھائیں یوں آپ کے ہاتھی کو تول کر بتلائیں کہ وزن اُس کا اتنے من ہی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہی کہ بکری کی طرح اس کو ذبح کریں اور پارچہ کر کے تول لیں یہ بھلا آپ کو کب گوارا ہو گا کہ ہزار بارہ سو روپئے کے ہاتھی کا نقصان فقط اُس کی تول دریافت کرنے کے لئے آپ اُٹھائے گا۔ میں نے کہا ایک قصہ کا ذکر ہے کہ ایک بادشاہ بہت سخت بیمار ہوا اپنے جینے سے ناامید ہوا تو اس نے یہ منت

مانی کہ خدا مجھے اچھا کردے تو اُس کے نام پر ہاتھی کی برابر روپے تول کر بھوکے ننگے فقیروں کو
خیرات کروں۔ اتفاق سے وہ اچھا ہو گیا۔ اب حیران تھا کہ میں ہاتھی کی برابر روپے کیونکر
تولوں۔ اُس کے دربار کے بڑے بڑے عاقل اِس فکر میں تھے کہ کس تدبیر سے اِس مشکل کو
حل کیجیے۔ وہ تو اپنی لمبی لمبی ڈاڑھیوں پر ہاتھ رکھے سوچا کئے کہ ایک ملاح کو اس
بھاری بھرکم جانور کے تولنے کی بہت سہج ترکیب سوجھی۔ اُس نے بادشاہ کو بتلائی جس کے
سبب سے لاکھ ہا روپیہ غریبوں۔ فقیروں۔ یتیموں۔ بیواؤں۔ محتاجوں لنگڑے
لولوں۔ اندھے۔ اپاہجوں میں تقسیم ہوا۔ دیکھو ایک ملاح نے اپنے سوچنے سے
کتنے آدمیوں کا دامن دولت سے پر کر دیا۔ اگر تم بھی سوچا کرو تو ضرور کوئی نہ کوئی بات
ایسی پیدا کرو گے کہ جس سے اور آدمیوں کو فائدہ پہنچے۔ ہاتھی کا تولنا ایسا دشوار نہ تھا کہ
جس کو بغیر سوچے ایسا مشکل جان لیا کہ اُس کے گلے پر چھری پھیرنے لگے بوٹیاں تولنے لگے
اب میں پھر تم سے کہتا ہوں کہ سوچو۔ یہ سُن کر لڑکے رات دن غور و خوض کرنے لگے
کہ ملاح نے کیا ترکیب ہاتھی کے وزن کرنے کی ایجاد کی ہوگی۔ فکر اور غور تو عجب چیز ہیں اگر
ایک بات سات پردوں میں چھپی ہو تو وہ اُن کو ظاہر دکھلائی دیتی ہے۔ سوچتے سوچتے آخر
ایک لڑکے کی سمجھ میں آ گیا کہ ملاح نے یہ ترکیب کی ہوگی۔ کہ پہلے ایک کشتی کو دریا کے کنارہ پر لایا
ہوگا اور اُس کو تختوں سے پاٹا ہوگا۔ اور پھر ہاتھی کو دریا کے کنارے پر لے گیا ہوگا۔ کشتی پر چڑھایا ہوگا
چڑھایا ہوگا۔ اُس کے بوجھ سے جتنی کشتی ڈوبی ہوگی اُس جگہ نشان کیا ہوگا۔ اور ہاتھی کو کنارہ پر لایا
پھر بادشاہ سے عرض کیا ہوگا کہ اب آپ کشتی میں روپے ڈلوائیے جب تک وہ کشتی اتنی ہی پانی کے اندر ڈوبے

جاتی کہ ہاتھی کے چڑھنے سے ڈوبی تھی ویسی ہی ہاتھی کے وزن کی برابر روپیوں کو تولا ہوگا جب اس لڑکے نے یہ ترکیب میرے سامنے بیان کی تو میں نے اُس کی ذہانت کی داد دی اور پیٹ بھر کے مٹھائی کھلائی۔ ای لڑکو تم کسی بات کو مشکل نہ جانو۔ سوچنے اور غور کرنے سے مشکل مشکل بات سہل ہو جاتی ہے۔ پہلے یہ امر دشوار معلوم ہوتا تھا کہ ہاتھی تل جائے۔ مگر ایک ملاح نے سوچ کر یہ ترکیب سہل سی اُس کے تولنے کی نکال لی۔ اگر تم کسی پیشہ ہنر علم میں ترقی کرنی چاہتے ہو تو فکر غور مطالعہ خوض کی عادت ڈالو۔ اُن سے مشکل سے مشکل بات سہل ہو جائے گی ❖

عجیب شیرمال

ایک دن چچا جان ہمارے گھر آئے فرمانے لگے کہ کل شام کو تم ہمارے ہاں کھانا کھانا۔ میں تم کو ایک شیرمال ایسی کھلاؤں گا کہ جس کے بنانے میں ہزار آدمیوں کے ہاتھ لگے ہوں گے۔ ہم نے کہا کہ حضرت ایسی شیرمال تو کئی لٹھے کے تھانوں کی برابر چوڑی چکلی لمبی ہوگی جس کو ہزار آدمی نے بنایا ہوگا۔ اِس کا جواب اُنھوں نے یہ دیا کہ اِس وقت کیا پوچھتے ہو کل تم اُس کو خود دیکھ ہی لوگے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ ہمارے دل میں شیرمال کا شوق پیدا کر گئے۔ دوسرے روز ہم نے صبح کو اچھی طرح کھانا بھی نہیں کھایا کہ رات کو یہ عجیب شیرمال کھائیں گے۔ شام کے ہوتے ہی اُن کے گھر پہنچے۔ وہاں جب جا بیٹھے۔ دستر خوان بچھا۔ اُس پر کھانا چنا گیا۔ ہماری آنکھیں اُس شیرمال کے انتظار میں لگی ہوئی تھیں کب وہ آئے جسے ہم دیکھیں۔ جب کھانا آچکا تو چچا صاحب نے فرمایا کہ بسم اللہ کھانا شروع کیجئے ہم نے

متعجب ہو کر پوچھا کہ حضرت وہ شیرمال کہاں ہے جس کے انتظار میں ہمارا دل بے قرار ہے انھوں نے فرمایا کہ تم اپنے سامنے پیالہ کے پاس اُسے نہیں دیکھتے یہی وہ شیرمال ہے جس کے بنانے میں ہزار کاریگر کے ہاتھ لگے ہوں گے اگر تم کو یقین نہ ہو تو قلم دوات کاغذ لے بیٹھو میں بتاتا جاؤں تم لکھتے جاؤ کہ کتنے کاریگروں نے اِس کے بنانے کے لیے کام کیا ہے۔ اِس شیرمال میں میدا ہے اِس کے واسطے زمین جوتنے۔ بونے اور پانی سینچنے۔ نرانے۔ کاٹنے۔ پیسنے۔ چھاننے۔ گوندھنے۔ پکانے کے عملوں میں کتنے کاریگروں کے ہاتھ لگے ہوں گے۔ پھر اب اِن کاموں کے اوزاروں کو دیکھو کہ لوہے لکڑی کے ہیں لوہے کے کان سے نکالنے۔ صاف کرنے۔ وہاں سے لے جانا اور درختوں کے کاٹنے میں کتنے آدمیوں نے کام کیا ہوگا۔ اِس میں گھی ہے اِس کے لیے دودھ دوہنے بلونے اِس کے رکھنے کے لیے برتن بنانے میں کتنے آدمیوں نے کام کیا ہوگا۔ یہ وہ کہہ ہی رہے تھے کہ ہم نے اُن سے کہا کہ اب حضرت اور زیادہ کاریگروں کے شمار کرانے میں تکلیف نہ فرمائیں ہماری سمجھ میں آگیا کہ ضرور اِس شیرمال کے بنانے میں بہت سے عمل کرنے پڑتے ہیں جن میں ہزار ہاتھ سے کم نہ لگتے ہوں گے۔ روٹی کا نوالہ مُنہ میں جب ہی پڑتا ہے کہ ایک ہزار آدمی اِس کو ہاتھ لگائیں ۔

سوئی

سوئی اپنی زبان حال سے یہ کہہ رہی تھی کہ میں اگرچہ چھوٹی چیز ہوں اور سیر نا کہ کی آنکھ بھی ایک ہی رکھتی ہوں مگر میں ہمیشہ اُسے کھلا رکھتی ہوں اِس لیے جو کچھ میں نے ایک آنکھ سے دنیا کو دیکھا ہے وہ دو آنکھ والوں نے بھی نہیں دیکھا۔ درزی کی سوئی وہی شخص کہلاتا ہے جو ہر کام میں خود ہو۔ یہ مثل مشہور ہے کہ درزی کی سوئی کبھی ٹاٹ میں کبھی تاش میں۔ میں لوہے سے بنی ہوں معلوم نہیں کہ میرا لوہا کتنے زمانہ تک زمین کے نیچے

دبا پڑا رہا۔ جب آدمی نے زمین کو بہت کچھ کھدوایا تو اُسے نکالا۔ اگر آدمی یہ نہ کرتا تو میرا پتا بھی نہ ہوتا۔ پھر اُس نے لوہے کو گلایا اور اُس میں کوئلہ ملا کر فولاد بنایا اور اُس سے مجھے بنایا۔ اگر وہ مجھے خالص لوہے سے بناتا تو مجھ سے سوزن کاری کے کام اچھی طرح نہ ہو سکتے میری نوک بہت جلد گھس جاتی۔ اُس نے فولاد کے ہتھوڑے کی چوٹوں سے پیٹ پاٹ کر پہلے موٹی پھر پتلی سلاخیں بنائیں اور اِن سلاخوں کو جنتری میں کھینچ کھینچ کر پتلا تار بنایا۔ اب اِن پتلے تاروں کو سوئی بنانے والوں نے مول لیا اور اِس کو اپنے کارخانہ میں لے جا کر مقراض سے دو دو سوئیوں کے برابر ٹکڑے کترے۔ پھر کئی ہزار ٹکڑوں کو بنڈل بنا کر بھٹی میں سرخ کیا اور لوہے کی سپاٹ چادر پر ایک فولادی سلاخ سے دبا کر اِدھر اُدھر لڑکایا اور ان کو سیدھا کیا۔ پھر ایک پتھر کے چرخ کو تیز گھما کر اِن پچاس پچاس ٹکڑوں کو ساتھ ساتھ رکھ کر نوک نکالی۔ پھر اِن ٹکڑوں کو اہرن پر رکھ کر ہتھوڑے سے بیچ میں چپٹا کیا اور برمے سے دو دو چھید کئے۔ ہر ایک ٹکڑے کے دو کئے۔ پھر لڑکے لڑکیوں نے مجھے صاف اور اُجلا کیا۔ جلا دی۔ میرے ساتھ اور سوئیوں کو ملا کر کاغذ میں بند کر کے پڑیاں بنائیں۔ اِن پر ٹکٹ لگایا جس نے یہ بتلایا کہ ہم پڑیا میں کتنی ہیں اور کتنی بڑی ہیں۔ جب تک مجھے ہو چکا تو میں بازاروں میں بکنے گئی جہاز پر سوار ہو کر تمھارے ملک میں آئی۔ یہاں کبھی مجھے ایسے غریبوں کے گھروں میں جانے کا اتفاق ہوا کہ جن کے رہنے والے بہت صاف ستھرے رہتے تھے۔ کپڑے قیمت میں سستے پہنتے تھے۔ مگر اُن کی عورتیں اور لڑکیاں ایسی سلیقہ کی تھیں کہ وہ مجھ سے اپنا کام لے کر اِن کپڑوں میں وہ سلائی اور بخیہ کرتی تھیں اور ایسی اچھی اور ادھوریا پھرتی تھیں کہ وہ قیمتی پوشاکوں سے بڑھ جاتے تھے۔ اگر کہیں سے کوئی نیا کپڑا مسک گیا یا پرانا پھٹ گیا تو

دور ہوگیا کہ کہیں دکھائی نہیں دیتا کبھی مجھے ایسے گھروں سے پالا پڑا کہ جہاں پھوہڑپن اور غلیظی
ہی ختم تھا۔ لڑکیاں سیہرنا کیسا سینا تک نہیں جانتی تھیں کپڑوں کو پہنیں گی نہیں تو گانٹھ
یہیں لیتی تھیں کوئی تیلے والی سے نکال کر مجھ سے کام نہیں لیتا تھا۔ پھر نہیں مجھے پیر نگ پڑا
لگتا تھا۔ اگر کوئی بات میری کہی ہوئی تمھاری سمجھ میں آئی ہو تو اپنے استاد سے پوچھ لو
میرا کام بولنا اور سمجھانا نہیں بلکہ سینا ہے جس سے تم کو ساری سوزن کاری کے کاموں کی بہار دکھائی
ہوں زردوزی کر کے کیا کیا چاندی سونے کے پھول بوٹے بنائی ہوں شال باقی کر کے کیا کیا باغ
اور گلزار کی بہار پوشاک پر دکھائی ہوں چکن اور جالیاں کاڑھ کر کاڑھنے کے کیا کیا نقش بنائی ہوں
خلاصہ یہ کہ یہ اتنی سی پتلیا سوئی کی چٹیا کیسی محنت سے بنتی ہے۔ لوہے کی کان سے نکالنے سے
سوئی بننے تک ایک سو بیس عمل ہوتے ہیں اُس کی ایک ایک چیز کو جدا جدا شخص بناتے ہیں
اور اس تقسیم محنت سے ہر شخص اپنے کام سے ماہر ہو جاتا ہے۔ کام آسانی اور پھرتی سے ہوتا ہے
ایک آدمی آٹھ لاکھ ٹکڑے تار کے دس گھنٹے میں کاٹ لیتا ہے۔ دوسرا آدمی ستّر ہزار ٹکڑوں کی
نوکیں ایک گھنٹہ میں بنا لیتا ہے پن ہولی کی نہیں ہے۔ اس کے بنانے میں بھی چودہ آدمی کام کرتے
ہیں اس لئے وہ جلد بن جاتی ہے اگر ایک آدمی سب کام کرتا تو تھوڑی سی بہت دیر میں بنتیں +

دھاتوں کا بیان

سونا سب دھاتوں کا بادشاہ یا سورج کہلاتا ہے۔ اس کا رنگ خوب سنہرا بہت خوبصورت
ستھرا ہوتا ہے عوام و خواص کی پسند اور اپنی کمیابی کے سبب بیش قیمت ہوتا ہے بڑی
اور مشکل سے ہاتھ آتا ہے کہیں کہیں پانی کے ریتے میں اس کے چھوٹے چھوٹے ذرے ملے ہوتے ہیں

کہیں کانوں میں ڈلے کے ڈلے نکلتے ہیں۔ کہیں ایک قسم کے پتھروں کی رگ و پے میں وہ بیٹھا ہوا
ہوتا ہے۔ غرض تینوں صورتوں میں آلائش سے پاک صاف کر کے خالص سونا نکالنا نیاریے کا
کام ہے۔ ہندوستان میں سونا پہلے بہت جگہ ملتا تھا۔ اسی سبب وہ سونے کی چڑیا مشہور تھا
مگر اب اکثر دریاؤں کی ریت میں خاص کر مغربی گھاٹ کی چٹانوں میں ملتا ہے۔ وہ امریکہ میں
بہت جگہ ملتا ہے۔ سونے کے سیکڑوں طرح کے زیور بنتے ہیں بعض عورتیں اس کے گہنے
پاتے میں ایسی لدی ہوتی ہیں کہ سونے میں پیلی معلوم ہوتی ہیں۔ سونا بہت بھاری اور
نرم ہوتا ہے ایک لڑکا اپنے ہاتھ کے زور سے کڑے کو پھیلا کر سیدھی سلاخ بنا لیتا ہے۔
اور سیدھی سلاخ کو موڑ کر کڑا بنا سکتا ہے۔ تارکش اس کا تار ایسا باریک بناتے ہیں کہ وہ
سیکڑوں گز ایک چھوٹی سی ڈبیا میں سما سکتا ہے۔ ان تاروں سے کلابتون۔ ٹھپے۔ گوٹے
بنتے ہیں جن کے ٹانکنے سے عورتوں بچوں کی پوشاکیں زرق برق کی ہو جاتی ہیں۔
زرکوب اس کو کوٹ کر ایسے پتلے ورق بناتے ہیں اگر اٹھارہ سو ورق اوپر تلے رکھو
تو کاغذ کی برابر موٹے ہوں۔ اگر کسی حکمت اور ترکیب سے ان پر حروف منطبع ہونے لگیں تو
بڑا تماشا ہو کہ وہ کتب خانے جو اونٹوں پر لدتے ہیں ان کو اپنی بغل کے اندر جزدان
میں جہاں چاہے لئے پھرو۔ خالص سونا ایسا ملائم ہوتا ہے کہ سکہ کی ضرب نہیں اٹھا
سکتا۔ اس لئے اس میں تانبا یا چاندی ملا کر سخت کرتے ہیں پھر سکے بناتے
ہیں۔ تاکہ استعمال سے اس کی صورت نہ بگڑ جائے اور جلد نہ گھس جائے۔ اس لئے
بن کھوٹ ملائے کھرے سکے نہیں چل سکتے۔ بڑی خوبی اس کے سکوں اور زیور میں

یہ ہوتی ہے کہ زمین میں دبنے سے بگڑتے نہیں پانی اور ہوا کے اثر سے اُن پر زنگ نہیں لگتا
ہاں آگ میں رکھ کر اُس کو مشکل سے پگھلاتے ہیں۔ یونانی طبیب کہتے ہیں کہ معجونیں اُن کے
ڈالنے سے مقوی ہو جاتی ہیں۔

چاندی کو دھاتوں کا وزیر کہتے ہیں۔ یا چاند۔ بادشاہ کی رنگت سنہری ہے
وزیر کی روپہلی جب دونوں ملتے ہیں تو گنگا جمنی کہلاتے ہیں۔ یوں دو لہر دریا
کے نام پاتے ہیں جب چاندی کی پالش کی جاتی ہے اور جلا دی جاتی ہے
تو اُس کی سفید رنگت وہ اپنی چمک دکھاتی ہے کہ موتیوں کی آب بھی اُس کے آگے گرد
ہو جاتی ہے۔ جو چیز دودھ سے بھی زیادہ سفید ہوتی ہے اُسی کو چاندی کے پترے کہتے ہیں۔
وہ دریاؤں کی ریتی اور کانوں سے نکلتی ہے۔ ہندوستان میں کوئی کان اُس کی نہیں
تار اور ورق اُس کے بھی بنتے ہیں ان تاروں اور سونے کے تاروں سے
بنارس میں زربفت۔ کمخواب۔ سلے۔ دوپٹے۔ تاش۔ تمامی۔ گوٹے بنتے ہیں
ورقوں کو حلوائی خوبصورتی کے واسطے مٹھائیوں پر لگاتے ہیں اور خریداروں کا جی
للچاتے ہیں۔ طبیب دواؤں میں ڈال کر ضعیفوں کو قوی بنانے کے لئے کھلاتے ہیں۔
سکے بھی اُس کے بنائے جاتے ہیں نرمی کے سبب اُس میں بھی تانبا ملا کے سخت
کرتے ہیں زنگ اُن پر نہیں لگتا۔ وہ گھستے بھی نہیں روپیہ مدتوں تک چلتا ہے
تو دو چار رتی گھس کر وزن میں کم ہو جاتا ہے۔ برتن بہت خوبصورت کچھ تانبا ملا کر بنائے جاتے ہیں
ہوا۔ پانی۔ خاک۔ کا اثر اُس پر کچھ نہیں ہوتا۔ مگر آگ اس کو پگھلا دیتی ہے بعض ترکیبوں سے

پھونک کر اس کا کشتہ بھی بنا دیتی ہے۔ کیونکہ کبھی اس کے منہ کو کالوس لگا دیتی ہے۔ اس سے سونا چاندی کے
بنانے کی ہوس بھی بہتوں کے گھر کے گھر پھونک کر خاک میں ملا دیتی ہے۔ ٹانگوں میں لنگوٹ
باندھے ہوا بستی ویرانہ میں آباد کرتی ہے۔ تم کبھی کسی کیمیاگر اور ہیا یں بنانے والے کے دم میں آنا
یاد رکھو کہ کسی آدمی سے سونا چاندی کبھی نہ بنا ہے نہ بنے گا۔

تانبے کا رنگ سُرخ سا ہوتا ہے جلا اور پالش سے وہ کچھ سونے کی سی جھلک دکھاتا
ہے۔ اُس کے برتن بہت طرح کے بنتے ہیں۔ اُن میں مٹی سے اور سرکہ اور ترش چیزوں کے
رکھنے سے سبز رنگ کا زنگ لگ جاتا ہے۔ یہ زنگ زہریلا ہوتا ہے۔ اس ضرر سے بچنے
کے لئے اُن کے برتنوں میں قلعی کراتے ہیں۔ جہازوں کے پیندوں میں اُس کی چادریں
بچھاتے ہیں۔ اُن کا زہریلا زنگ بہت سے دریائی جانوروں اور پودوں کو چمٹنے نہیں دیتا
اس لئے جہازوں کی رفتار میں فرق نہیں آنے پاتا۔ پیسے بھی اس کے بناتے ہیں۔ پیسے والا
دولتمند کہلاتا ہے۔ ہندوستان میں تانبا بہت جگہ ملتا ہے۔ کماؤں گڑھوال۔ داریو علاقہ
الور، کھیتڑی علاقہ جے پور، جموں، سنگار، باغ اور بہت سی جگہ میں وہ نکلتا ہے۔ یہ دھات
ایسا ہے کہ مرکب دھاتوں کے بنانے میں بہت کام آتا ہے۔ پیتل بہرت۔ کانسی جس کے
تم نے بہت سے برتن دیکھے ہوں گے۔ تانبے میں جست اور قلعی ملانے سے بنتے ہیں۔

سیسا اُس کا نیلا سا خاکی رنگ ہوتا ہے اُس کے ڈلے کو توڑو تو اندر سے تازہ رنگ
چمکدار نکلے گا لیکن ہوا میں کھلنے سے ماند ہو جائے گا۔ ایک خاکی رنگ کی جھلی سی اس پر
جم جائے گی۔ وہ بہت نرم ہوتا ہے بھاری بھی ہوتا ہے اس کو کوٹ کر چادریں بناتے ہیں

پھتوں اور سائبانوں پر پاٹتے ہیں پانی کے نل اُن کے بناتے ہیں اِنہیں پرنالوں کے آگے
اُنہیں لگاتے ہیں اِس کو پگلا کر چھرّے گولیاں سانچوں میں ڈھالتے ہیں اِس میں کچھ سُرمہ
ملا کر چھاپے کے حرف بناتے ہیں ہندوستان میں گڑھوال ریاست الور اجمیر اودے پور وغیرہ
میں اِس کی کانیں ہیں ٭ ہوا سے اُس میں زنگ نہیں لگتا ٭

لوہا بہت سخت ہوتا ہے جس آدمی کا دل پتھر ہوتا ہے اُسے کہتے ہیں کہ اِس کی چھاتی
لوہے کی ہے یا آہنی دل ہے۔ وہ مضبوط بڑا ہوتا ہے جو چیز مضبوط ہوتی ہے اُسکو لوہا لاٹھ کہتے ہیں
وہ مشکل سے ٹوٹتا ہے جو شخص مشکل کام کرتا ہے اُسے کہتے ہیں کہ لوہے کے چنے چباتا ہے مشہور ہے علم پڑھنا
لوہے کے چنے چبانے ہیں ہندوستان میں وہ بہت مقامات میں ملتا ہے۔ گوالیار۔ الور
جے پور۔ کانگڑہ۔ ارکاٹ وغیرہ میں اُس کی کانیں ہیں زیادہ تر کانیں اُس کی دکن
میں ہیں کانوں میں وہ بہت سی آلائشوں میں آلودہ ملتا ہے۔ اِن کو خالص کر کے مختلف
قسم کا لوہا بناتے ہیں تین قسمیں اِس کی مشہور ہیں ایک ڈھلا ہوا لوہا۔ وہ اس طرح
بنتا ہے کہ لوہے کو گلا کر سانچوں میں ڈھال لیتے ہیں۔ وہ بہت سخت ہوتا ہے مگر
چوٹ لگتے ہی کھیل کھیل ہو جاتا ہے اِس کی وہی چیزیں بنتی ہیں جو ڈھالی جاتی ہیں
جیسے توپیں توپوں کے گولے کٹہرے جنگلے پیّے عمارتوں اور ریلوں کے بنانے میں بھی
وہ کام آتا ہے ٭ دوم کمایا ہوا لوہا وہ یوں بنتا ہے کہ لوہے کو گلا کے اُسکے اندر گرم ہوا
جانے دیتے ہیں اِس کا بہت پتلا تار کھنچ سکتا ہے کوٹ کر اُس کی چادریں بنا سکتے
ہیں وہ پگھل نہیں سکتا مگر اُس کو گرم کر کے سرخ انگارہ بنا کے ہتھوڑوں سے چوٹیں

لگا کر جو چیزیں اس کی چاہیں بنا سکتے ہیں لہاروں کو دیکھا ہو گا کہ وہ اِس طرح کتنی چیزیں بناتے
ہیں بگودوں کی نعل میخیں زنجیریں اِن کے ٹکڑوں کو اگر گرم کر کے کوٹ دیں تو وہ ایسے
وصل ہو جاتے ہیں کہ پھر جدا نہیں ہوتے۔ تیسری قسم فولاد ہی جو اِس طرح بنتا ہے کہ کمائے ہوئے
لوہے کو کوئلوں میں گرم کر کے ہتوڑوں کی چوٹوں سے کوٹتے ہیں پھر اُس کو بجھا کر
سخت کرتے ہیں کاٹنے والے آلات اور اوزار اسی کے بنتے ہیں۔ جیسے تلوار چھری
چاقو۔ اُسترا قینچی وغیرہ۔ سکے اِس کے اِس لئے نہیں بناتے کہ ہوا کی نمی سے اُس پر
زنگ جم جاتا ہی۔ جس کا سُرخ سا رنگ ہوتا ہی۔ وہ اپنے اوپر سکہ جما نہیں سکتے دیتا۔
یہ مختصر بیان سن کر اور روزمرّہ کے کاموں کو دیکھ کر یہ تمہاری سمجھ میں آتا ہو گا۔ کہ
لوہے سے زیادہ کوئی اور دھات انسان کے بکار آمد نہیں ہی۔ اگر دنیا میں لوہا نہ ہوتا تو انسان
شائستہ نہ ہوتا۔ وحشی بنتا۔ ریل اور سیکڑوں کلیں اور ہزاروں اوزار کس کے بنتے اور ہزاروں
پیشے کیسے چلتے۔ اِس لئے اُس کو دھاتوں کا بادشاہ کہتے ہیں جس کا لوہا تیز ہوتا ہی
وہی بادشاہ ہوتا ہی جس کی تیغ اُسی کی دیگ۔ لڑائیوں میں جو دشمن کا لوہا مان گیا
مغلوب ہو گیا۔ اگر کوئی سونے اور لوہے کی طرف سے مناظرہ لکھے تو کوئی اِن میں مغلوب نہ
ہو گا۔ مقناطیس کا لوہے کی طرف کھنچنا اور اُس کو اپنی طرف کھینچنا شاعروں کے لئے ایک
اچھا مضمون ہی۔ سونا لوہے کو موم بنا تا ہی یعنی وہ لوہے کو اپنا کام نہیں کرنے دیتا
کیسا ہی آدمی سخت اور بہادر ہو وہ زر لے کر نرم ہو جاتا ہی۔ یہ بھی ہی کہ لوہے کے قفل سونے
کی کنجیوں سے نہیں کھلتے ہیں۔ یہ معنی کے برعکس ہیں۔ سونے میں سہاگا مشہور مثل ہے

قلعی جس کو انگریزی میں ٹین کہتے ہیں وہ بہت ملائم دھات ہے بہت آسانی سے
مڑ تڑ سکتا ہے۔ اس کا رنگ چمکتا ہوا چاندی سا ہوتا ہے ✦ تم روز گھروں میں تانبے کے
برتنوں پر قلعی کی ہوئی دیکھتے ہو وہ اس لئے اُن پر کی جاتی ہے کہ اس پر ہوا کی نمی۔ سرکہ کھٹی
وغیرہ سے زنگ نہ لگے قلعی آسانی سے پگل جاتی ہے۔ زیادہ گرم کرنے سے سفید شعلے اُس میں سے
اُٹھنے لگتے ہیں ✦ جو تم اکثر ٹین کے برتن دیکھتے ہو وہ قلعی کے نہیں ہیں بلکہ لوہے کی
چادروں کے بنے ہوئے ہیں جن پر قلعی پھری ہوئی ہے۔ قلعی کو کوٹ کر اکثر اس کے پتّے اور ورق بھی
بناتے ہیں جس کو لگا کر پنکھوں اور تعزیوں میں وہ کام کاریگر کرتے ہیں کہ چاندی کا کام معلوم
ہوتا ہے ✦ شادی کے پڑوں اور آرائشوں پر لگا کر چاندی کی جھڑک دکھا دیتے ہیں دھوکے
کے کاموں کو قلعی کے کام کہتے ہیں جب اصل حال ان کا کھل جاتا ہے تو کہتے ہیں قلعی
کھل گئی کسی کی قلعی کھول دینے کے یہ معنی ہیں کہ اصل حال کو کسی کے بتلا دیا ✦ قلعی کا پتا
پارہ کے ساتھ آئینوں کے نیچے لگاتے ہیں قلعی بغیر پارہ شیشہ پر ٹھیر نہیں سکتا قلعی
مرکب دھاتوں کے بنانے کے کام میں آتی ہے۔ یونانی طبیب قلعی کے کشتے کو بیماروں کو کھلاتے ہیں۔

جست کو گھس کر کبھی آنکھیں دُکھتی ہوں گی تو لگایا ہوگا۔ یا اس کو پھونک کر سفیدہ بنایا
ہوگا اور آنکھوں میں لگایا ہوگا۔ اُس کا رنگ سفید نیلاہٹ لیتا ہوا ہوتا ہے۔ اُس کے برتن
بناتے ہیں صراحیاں اس کی پانی کے ٹھنڈا کرنے کی تم نے کہاروں میں لپٹی ہوئی دیکھی
ہوں گی۔ اس کی چادریں بنا کر آسانی سے لپیٹ لیتے ہیں لوہے کی چادروں پر زنگ
سے بچانے کے لئے اس کی چادریں منڈھ دیتے ہیں ہندوستان میں اس کی کانیں

اور کچھ پورے سری موضع ہزاری باغ۔ کرنول میں ہیں ۔

پارہ ایک مایع ہے جس کے اجزا بہت جلد حرکت قبول کرتے ہیں گول گول دانوں میں پارہ پارہ
ہو جاتے ہیں خالص پارہ کا رنگ سفید چمکدار نگی ہوئی چاندی کے مشابہ ہوتا ہے اسی لیے اس کو فارسی میں
سیماب کہتے ہیں یعنی ایسی چاندی جو پگل کر پانی ہو گئی ہے۔ اُس کو زنگ نہیں لگتا۔ وہ بہت بھاری
ہوتا ہے اسی لئے پارہ پلانے کے معنی بوجھل کرنے کے ہیں جیسے ثقیل کھانا کھانے کو پارہ
پی لینا کہتے ہیں پہلے زمانے کے بعض حکیموں کا قول تھا کہ پارہ اور گندھک ہی کی آمیزش سے کل
تمام دھات پیدا ہوئے ہیں اگر سفید گندھک میں پارے کے کم اجزا ملے تو چاندی بن گئی سرخ گندھک
میں پارہ کے برابر اجزا ملے تو سونا بن گیا اور علی ہذا القیاس اور دھاتوں کا حال ہے اسی لئے
پارہ کو سب دھاتوں کی ماں اور گندھک کو باپ کہتے ہیں اکثر دھات جو کانوں سے نکلتے ہیں
اُن میں گندھک ہوتی ہے اور پارہ اکثر دھاتوں کے ساتھ خوب مل جل جاتا ہے۔ پارہ کی یہ
خاصیت ہے کہ گرمی سے یکساں پھیلتا ہے سردی سے یکساں سکڑ جاتا ہے اس خاصیت کے
سبب نلی میں اُسے بھر کر ایک آلہ مقیاس الحرارت گرمی کی کمی و بیشی دریافت کرنے کے لئے
بناتے ہیں ۔ ہوا کے بوجھ سے پارہ دبتا ہے اس لیے اُس کو نلی میں بھر کر ایک آلہ مقیاس الہوا
ہوا کی کثافت و لطافت معلوم کرنے کے لئے تیار کرتے ہیں ۔ شیشوں کی پشت پر اس
کو چڑھا کر آئینے بناتے ہیں شنگرف میں بھی وہ پڑتا ہے ۔ ہندوستان میں کوئی کان اب تک
نہیں معلوم۔ یہ سات دھات جو ہم نے اوپر بیان کیے ہیں اُن کا پیداوار ہندوستان میں کم
اور خرچ زیادہ ہے اس لیے وہ کروڑوں روپے کے غیر ملکوں سے اُن کے صرف میں آتے ہیں

نشو و نما تمدن

عزت

وہ پر خوف صحرا وہ پر خار جھاڑی
گھنے جنگل اور گہری گھاٹی کہ کھاڑی سی
خطرناک اونچے پہاڑ اور پہاڑی
جہاں لٹتی تھی مالداروں کی گاڑی

وہ جوکھوں میں جان کے ڈالنے والی راہیں
بنا ان کی کوشش سے آرام گاہیں

لبالب بھرا تھا جو پانی سے دریا
بہت تھا خطرناک جس پر اترنا
سمندر میں ہر سمت طوفاں بپا تھا
بہت جوکھوں میں پڑا جس سے بیڑا

سراسر ہیں اب پختہ پل ان پہ قائم
دھڑلے سے ان پر گذرتا ہے عالم

بنی ہیں ہر اک سمت سڑکیں کشادہ
سواری پہ ہوں یا کہ ہوں یا پیادہ
بہت جس سے عالم کو ہے استفادہ
ہے آرام ملتا ہمیں حد سے زیادہ

شجر ہیں لگے واں دو طرفہ برابر
یہیں چھاؤں ہے ٹھنڈی ٹھنڈی میسر

نئی روشنی ہر طرف جلوہ گر ہے
شب تار بھی آج دن دوپہر ہے
چمکتی ہوئی چاندنی سر بسر ہے
اجالے میں پھرتا ہوا ہر بشر ہے

مہ چاردہ کی طرح سے اجالا
ترقی کا خورشید ہے جگمگاتا

ہوا کچھ ترقی کی ایسی چلی ہے — کہ ہر اک کے دل میں پڑی کھلبلی ہے
جو بیکار تھے اُن کو بھی بیکلی ہے — کہ بیٹھے سے بیگار ہی اب بھلی ہے
نکمّے ہوئے ہیں کمانے کے قابل
ہیں اُجڑے ہوئے گھر بسانے کے قابل

کھلے راستے ہیں ہر اک بحر و بر کے — میسر ہیں سامان سارے سفر کے
جو فضلِ خدا سے ہیں آسودہ گھر کے — اُڑیں جس طرف چاہیں بال و پر کے
ہیں غربت میں موجود خوشیاں وطن کی
ہیں جنگل میں چلتی ہوائیں چمن کی

بہت شہر ہیں ریل گاڑی رواں ہے — وہ دیکھو کہ انجن کا اُٹھتا دھواں ہے
دھرم شالہ ہوٹل سرا اور کنواں ہے — بڑے چین سے جا رہا کارواں ہے
کڑی منزلیں اب ہیں آسان رستے
پہنچ جائیے یہاں سے وہاں ہنستے ہنستے

اچھا زمانہ آنے والا ہے

تنے گا مسرت کا اب شامیانہ — بجے گا محبت کا نقار خانہ
حمایت کا گائیں گے مل کر ترانہ — کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ
نہ ہم روشنی دن کی دیکھیں گے لیکن — چمک اپنی دکھلائیں گے اب بھلے دن
رُکے گا نہ عالم ترقی کئے بن — کرو صبر آتا ہے [illegible] زمانا

ہراک توپ سچ کی مددگار ہوگی
خیالات کی تیز تلوار ہوگی
اسی پر فقط جیت اور ہار ہوگی
کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ

زبانِ قلم سیف پر ہوگی غالب
دبیں گے نہ طاقت سے پھر حق کے طالب
کہ فرماں روا ہوں گے حق کے مطالب
کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ

زمانہ نسب کو نہ پوچھے گا ہے کیا
مگر وصف ذاتی کا ڈنکا بجے گا
اُسی کو بڑا سب مانے گی دنیا
کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ

لڑائی کو انساں سمجھیں گے ڈائن
تفاخر یہ ہوگی نہ قوموں میں اَن بن
مشیخت کی خاطر اُٹھے گی نہ گردن
کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ

عقیدوں کی مٹ جائے گی سب رقابت
مذاہب کو ہوگی تعصب سے نفرت
مگر اُن کی بڑھ جائے گی اور قوت
کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ

کریں سب مدد ایک سے ایک مل کر
یہی بات واجب ہے ہر مرد و زن پر
لگے ہاتھ سب کا تو اُٹھ جائے چھپر
کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ

نمک

لڑکو کوئی بھی تم میں ایسا نہ ہوگا کہ جس نے سلونا کھانا نہ کھایا ہوگا۔ تم جانتے ہو کہ یہ نام سلونا کیوں رکھا گیا۔ اِس لئے کہ اس میں لون پڑتا ہے۔ اگر یہ لون نہ پڑا تو اُس کو الونا کہتے مسلمان لڑکے تو روز دیکھتے ہوں گے کہ پکتی ہوئی ہانڈی میں نکال کر نمک چکھتے ہیں۔ اگر وہ الونا ہوتا ہے تو اور نمک ڈال کر سلونا کر دیتے ہیں کھانے کے سارے مزے کا مدار

آب و نمک کے درست ہوتے ہیں۔ بعض چیزیں نمک لگانے سے بہت دنوں تک ٹھہر جاتی ہیں سڑتی اُلستی نہیں۔ انگریزی بورچی خانوں میں گوشت اور مچھلی کو نمک لگاکر اسی لئے رکھتے ہیں۔ لون لگانے سے کڑوا کسیلا پن۔ کھٹاپن بھی گھٹ جاتا ہے۔ کریلوں پر پکانے سے پہلے لون لگا کر رکھ دیتے ہیں کہ کڑوا پن کم ہو جائے۔ کھٹی نارنگیوں کو نمک لگا کے اس لئے کھاتے ہیں کہ اِن سے دل کھٹا نہ ہو۔ جانوروں کو بھی دانہ میں نمک ملا کر کھلاتے ہیں گدھے اور گھوڑے کی آنکھوں میں چوٹ لگتی ہے۔ تو اس کی پھار دیتے ہیں۔ مثل مشہور ہے گدھے کی آنکھوں میں نمک پایا اُس نے جانا کہ میری آنکھیں پھوڑیں۔ زخم پر نمک چھڑکنے سے اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اسی لئے کسی کے رنج بڑھانے کو زخم پر نمک چھڑکنا کہتے ہیں نمک ایسی چیز ہے کہ جس کے بغیر کھائے ہماری زندگی بے مزہ کیا بلکہ مشکل ہے۔ اس لئے تم کو یہ جاننا ضرور ہے کہ یہ ضروری چیز جو ایسی سستی بکتی ہے کہاں کہاں پیدا ہوتی ہے۔ بعض تم میں ایسے بھولے بھالے ہونگے کہ اگر کوئی ان سے کہہ دے کہ نمک درخت میں لگتا ہے تو وہ اسے یقین کر لیں گے۔

اب سنو کہ کہیں تو اس نمک کی کانیں ہوتی ہیں۔ وہاں سے کھود کر ڈلے کے ڈلے نکال لیتے ہیں کہیں اُس کا پہاڑ ہوتا ہے کہ اُس میں سے پتھر کی طرح [illegible] کے ڈھیمے الگ کرتے ہیں وہ بہت سفید اور چمکتے ہوئے ہوتے ہیں۔ عمارتوں میں بھی ان کو چن دیتے ہیں۔ کبھی وہ سمندر جھیل چشموں کے کھار شور پانی سے نکالا جاتا ہے۔ پنجاب میں نمک کا پہاڑ ہے۔ دریائے سندھ کے پار اور وار بہت سی کانیں ہیں۔

جن سے لاکھوں من نمک ہر سال نکلتا ہی۔ اُس کو لاہوری نمک کہتے ہیں۔ راجپوتانہ میں
سانبھر کی جھیل جے پور کے علاقہ میں ہی۔ وہ بیس ۲۰ تیس ۳۰ میل کے قریب لمبی اور پانچ میل کے
قریب چوڑی ہی۔ اور برسات میں گز بھر کے قریب گہری ہو جاتی ہے۔ سیکڑوں برس
سے لاکھوں من نمک ہر سال اُس سے نکلتا چلا آتا ہی۔ مشہور ہے جو چیز اُس میں ڈال دو
نمک ہو جاتی ہی۔ ہر چہ در کان نمک رفت نمک شد۔ (جو چیز کانِ نمک میں ڈالو وہ نمک
ہو جاتی ہی) حال میں تیس ۳۰ لاکھ من نمک ہر سال نکلتا ہی۔ یوں ایک ذرا سی جھیل میں
کروڑوں روپیہ حاصل ہوتا ہی۔ اس جھیل کے شور پانی کو کیاریوں میں بھر دیتے ہیں جب
پانی بخار بن کر اُڑ جاتا ہی۔ نمک باقی رہ جاتا ہی۔ جودھپور کے راج میں ایک جھیل ڈیڈوانہ اور
شیخاواٹی کے علاقہ میں کچپراوا سا جھیل ہے۔ اِن میں سے بھی لاکھوں من نمک نکلتا
ہی۔ ضلع گوڑگانوہ کے درمیان سلطان پور۔ نوح سلیمہا میں نمک کے کنوئیں ہیں جن
اُن میں سے نمک نکلتا ہی۔ بنگال۔ مدراس۔ بمبئی میں سمندر کے شور پانی سے نمک نکالتے
ہیں ہمارے ملک میں نمک اِس کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ اگر اُس پر محصول نہ لگتا
تو وہ بہت سستا بکتا ہی۔ بعض ملکوں میں نمک کا کال ہے کہ جو شخص کھانے میں نمک ڈال کر
کھاتا ہی وہ بڑا امیر گنا جاتا ہی۔ یہاں کوئی بڑا ہی مفلس ہوتا ہی۔ تو کہتے ہیں کہ اُسے
روٹی کے لئے لون میسر نہیں۔ اگر کھانے میں نمک تھوڑا پڑتا ہی تو مزہ دار ہوتا ہی۔ اگر
بہت سا جھونک دو تو زہر ہو جاتا ہی۔ اس لئے تھوڑی چیز جو دوسری چیز میں ایک لطف اور
کیفیت پیدا کر دے اُسے نمک کہتے ہیں۔ ظرافت کلام میں ایسی چاہئے

چاہیے جیسی طعام میں نمک کلام میں نحو ایسی ہے جیسے طعام میں نمک اُس صورت اور کلام کو نمکین کہتے ہیں کہ جس کی طرف طبیعت کو نہایت رغبت ہوتی ہے۔ شیریں کلام سے بہتر نمکین کلام ایسا ہے جیسے شیرینی سے نمکین۔ مزہ دونوں میں ہے مگر ایک سے جلد دل بھر جاتا ہے دوسرے سے کبھی دل بھرتا نہیں ✚ ہمارے ملک میں نمک کی بڑی پاسداری ہوتی ہے۔ اگر ایک دفعہ ہم کسی شخص کے ہاں مہمان ہو کر کھانا کھاتے ہیں۔ تو ایک مدت تک اس نمک کا ایسا پاس ہوتا ہے کہ کوئی بُرائی اِس کے ساتھ کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ ہانڈی میں نمک گھولنا ایک قسم ہے۔ جو لوگ گھولتے ہیں وہ آپس میں قسمیہ عہد کرتے ہیں۔ کہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اگر ہم اپنے عہد سے پھریں تو اسی نمک کی طرح گھلیں۔ نمک حرام گالی ہے۔ جو شخص کسی کا نمک کھاتا ہے اور اُس کے ساتھ دغا کرتا ہے تو وہ نمک حرام کہلاتا ہے۔ نمک حلال ہونا نوکری کی خوبی ہے یعنی وہ اپنے آقا سے وفا کرتا ہے ✚ نمک حلال نوکر کے لئے نمک حرام سے زیادہ کوئی گالی نہیں ✚ نمک کے ساتھ جب مرچ لگ جاتی ہے تو کچھ اور ہی مزا پیدا ہو جاتا ہے۔ کسی بات میں نمک مرچ لگانے کے یہ معنی ہیں کہ اُسے مزہ دار بنا دیا یا ذرا سی بات کو بڑھا دیا ✚ ہم نے بھی نمک کے بیان میں مرچیں لگا کر اسے خوب مزہ دار کر دیا ہے ✚

زندہ پل

تم نے بہت سے پل اینٹ پتھر چونے کے چنے ہوئے۔ لکڑی لوہے کے بنے ہوئے

کشتیوں اور پیپوں کے بندھے ہوئے دیکھے ہونگے جو نہ اپنے تئیں بنا سنوار سکتے ہیں نہ بگاڑ اور ڈھا سکتے ہیں مگر ہم تم کو ایک زندہ پل کا ذکر سناتے ہیں کہ جو اپنے تئیں آپ بناتا ہے اور ڈھاتا ہے سنو ایک ندی کے کنارہ پر ایک کپتان صاحب اور بہت سے لڑکے کھڑے تھے کہ ایک سپین کے رہنے والے نے کہا کہ یہاں تھوڑی دیر میں بندروں کا لشکر آنے والا ہے اور وہ یہاں سے اُتر کر سامنے کی پہاڑیوں میں جاکر غائب ہو جائیگا۔ کپتان صاحب نے پوچھا کہ یہ لشکر کیوں کر آئے گا۔ کیا اس ندی کو پھاند جائیگا۔ یا ندی میں تیر جائیگا ندی تو بہت چڑھی ہوئی ہے۔ اُس شخص نے جواب دیا کہ آپ یہ نہیں جانتے کہ پانی کے اندر بندر جاتے ہوئے ایسے ہی ڈرتے ہیں جیسے آگ میں جانے سے۔ جب کسی ندی دریا کی دھار پر پھلانگ کر عبور نہیں کر سکتے تو وہ اپنا پل بناکر اُترتے ہیں کپتان صاحب نے تعجب سے کہا کہ وہ پل کیونکر بنا سکتے ہونگے کار پوزیشنیت نجاری جواب دیا کہ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ اب تم تھوڑی دیر میں آپ دیکھ لینا۔ بندروں کی آوازیں قریب آنے لگی ہیں بہت جلد وہ ہمارے پاس آنے والے ہیں۔ یہ باتیں ابھی ختم نہ ہوئی تھیں کہ اُن کی فوج کی فوج سامنے نظر پڑی۔ کہ سپاہیوں کی طرح پرے باندھے ہوئے اپنے افسروں کے ماتحت چلے آتے ہیں اور ایک جگادری بوڑھا بندر جس کے بال سفید ہوگئے ہیں اِن کا سپہ سالار چلا آتا ہے۔ ان سرداروں میں سے ایک چھلانگ مار کر جھٹ پار اُترا یہاں دیکھ بھال کر اُلٹا چلا گیا۔ اپنے سپہ سالار سے یہاں کی خبر کچھ سنادی کہ اُس نے اپنے لشکر کے کچھ بندروں کو جو بے شک انجنیر تھے حکم دیا وہ فوراً جاکر ندی کے کنارہ پر دوڑ گئے اور دونوں طرف کے درختوں کی مضبوطی کو خوب جانچا۔

سارے بندر ایک بڑا اونچے درخت کے نیچے جمع ہوئے۔ یہ درخت وہاں تھا جہاں ندی کی دھار بہت کم چوڑی تھی۔ اِن بندروں کی سپاہ میں خوب ہٹے کٹے چست چالاک تھے۔ وہ درخت کے تنہ پر آگے پیچھے چڑھے اور سب سے زیادہ درخت پر اونچی جگہ پہنچے۔ یہاں جھٹ پٹ درخت کے ایک ٹہنے میں ایک بندر نے اپنی دُم کے کئی پیچ لپیٹے۔ اور اپنے ہاتھ منہ نیچے لٹکا دئے اس کے پیچھے دوسرا بندر گیا۔ اس نے اپنی دُم پہلے بندر کی گردن اور بازوؤں میں لپیٹی۔ اور دونوں ہاتھ نیچے کر کے لٹک گیا۔ پھر تیسرے بندر نے بھی یہی کیا۔ غرض چودہ پندرہ بندر یونہیں لٹک لٹک کر اپنی ایک لڑی بناتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ سب سے پچھلے بندر کے ہاتھ زمین تک پہنچنے لگے۔ اب نیچے کے بندر نے زمین پر ہاتھ ٹیک ٹیک کر چھوٹے چھوٹے جھوٹے لے کر اِن کو یہاں تک بڑھایا۔ کہ ندی کے دوسری طرف درخت کی شاخوں میں وہ پہنچ گیا۔ یہاں اُس نے اپنے ہاتھوں سے شاخ کو ایسی پھرتی اور سلیقہ سے مضبوط پکڑا کہ اُن کی اس جیتی لڑی کو کوئی جھٹکا اور جھکولا نہیں پہنچا۔ دونوں کناروں کے درمیان اِن بندروں کی لڑی کا زندہ پل بندھ گیا اُس پر سے بندروں کا لشکر اُترنا شروع ہوا۔ چار پانچ سو بندر ایک بات کی بات میں ہی پار اُتر گئے۔ کپتان صاحب نے عمر بھر یہ اچنبھے کا تماشا کبھی دیکھا نہ تھا۔ وہ ہنسی کے مارے پھٹے جاتے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہر بندر کے چہرہ پر ایک لطیفہ ایسا لکھا ہے کہ جس کے پڑھنے سے بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ یہ دیکھ کر اُس کو نے بھی ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگے کہ یہ بندر کسی مسافر کو پکڑ کر ایسا ستاتے ہیں کہ وہ چیخ اٹھتا ہے۔ شاید کہ اس کا سبب یہی ہے کہ وہ اس چپکا

حصول اس سے وصول کرنا چاہتے ہیں۔

اب سارا لشکر تو ادھر اُتر آیا۔ اب بندر جو پُل کے زنجیرہ میں پھنس رہے تھے اُن
کی رہائی کا حال سُنئے کہ اس طرف اس پل کا سرا بہت نیچا تھا۔ اگر دوسری طرف کا
پہلا بندر درخت کی شاخ میں سے اپنی دُم کو کھولتا تو ضرور اِن زندہ پل کے پانچ چھ بندر ندی کے
پانی پر پٹخنی کھاتے یا کنارہ سے ٹکراتے۔ یوں اوروں کی بھلائی کے لئے جان گنواتے
اِن پھرتیلے جانوروں کے انجنیروں نے سوچا کہ یوں جان کا جانا اچھا نہیں بلکہ اس ترکیب سے
بچانا اچھا ہے کہ سب سے نیچے کے حصہ کی طرف ایک بندر نے اپنی دُم لٹکائی۔ اور اُس کے
سر پر دوسرا بندر چڑھا اور اس نے بھی دم لٹکائی۔ غرض چھ بندروں نے یہ کام کیا کہ ایک نے
دوسرے کی دُم ہاتھوں میں پکڑی اور پُل کے نیچے سرے کو اتنا اونچا اُٹھایا کہ دوسری
طرف کے سرے کی برابر اونچا ہو گیا۔ پھر ایک آواز لگائی کہ جس سے سب بھائیوں
کو خبر ہو گئی۔ کہ اب سارا کام تیار ہو گیا۔ دوسری طرف کے بندر نے شاخ میں سے
اپنی دُم کو کھولا۔ اس کے کھولتے ہی یہ زندہ پل پھر جھولا بنا اور تمام بندر نکل نکل
کر جنگل میں جا کر کہیں غائب ہو گئے۔

انسان

یہ خدا تعالیٰ نے اپنی صنعت اور حکمت کی عجیب شان انسان میں دکھائی ہے۔ ساری اپنی مخلوق
کی جنس کو سب جانداروں میں برتر اور بہتر بنایا ہے۔ کسی حیوان کو اس کی سی خوبصورت
شکل اور نیک عقل نہ عطا فرمائی ہے۔ گو اس کو نہ شیر کا زور دیا ہے۔ نہ

ہاتھی کا سا ڈیل ڈول عطا کیا ہے۔ نہ عقاب کی سی تیز نگاہ بخشی ہے۔ نہ کتّے کی سی سونگھنے
کی قوت دی ہے۔ مگر اس کی ذات میں ان صفات سے کہیں زیادہ خوبیاں جمع کی ہیں
انسان کا سیدھا قد بتلا رہا ہے کہ وہ حکم دینے کے لئے کھڑا ہے۔ اور جانوروں کا خمیدہ
قامت کہے دیتا ہے کہ وہ اس کی غلامی میں جھکے ہوئے ہیں۔ اُس کے چہرہ کا اوپر کی
طرف دیکھنا اس کی بلند نظری اور عالی ہمتی کی دلیل ہے۔ اُس کی رفتار کا خاموش
انداز ایک متانت کے ساتھ ہونا اُس کی بلند مرتبگی کی گواہی دیتا ہے۔ اُس کے چہرہ پر
عقل اور روح اپنی چمک دمک دکھا رہی ہیں۔ انسان کو اور چوپاؤں میں فضیلت جسمانی
ہاتھوں کے سبب سے حاصل ہوئی ہے۔ اس کے یہ ہاتھ اور چوپاؤں کی طرح جسم کے
سہارنے اور اٹھانے کے کام میں نہیں آتے۔ وہ تو اپنے دو پاؤں کے بل پر
کھڑا رہتا ہے۔ خدا نے اس کو یہ ہاتھ فقط اس کام کے لئے دئے ہیں کہ اُس کے دل
کے ارادوں اور خواہشوں کے کہنے میں چلا کریں۔ انسان کے سارے ضروری کام
یہی ہاتھ کرتے ہیں۔ روٹی کپڑا پیدا کرنا گھر بار بنانا انھیں کے اختیار میں ہے۔ قوت
لامسہ یعنی چھونے کی ہاتھوں میں بھری ہوئی ہے۔ یہ قوت اور حواسوں کی قوتوں پر
غالب ہے۔ آنکھیں کان نتھنے کھلے ہوئے دروازے ہیں۔ جن میں روشنی۔ آواز۔
بو داخل ہوتی ہے۔ خواہ وہ اچھی ہوں یا بُری۔ مجبوراً اُن کو دیکھنا سننا
سونگھنا پڑتا ہے۔ آنکھوں کا یہ مقدور نہیں کہ وہ ناگوار روشنی کو
کانوں سے یہ کب ہو سکتا ہے کہ بکر وہ آوازوں کو اپنے پاس نہ آنے دیں

ایسا ہی یہ بہت
مشکل ان چیز کا

ہو کیونکر ہو سکتا ہی کہ وہ بڑی بدبو کو اپنے سے پرے ہٹا دیں یہ خوبی ہاتھوں ہی

میں ہی کہ جو چیز اُن کو اچھی لگے اُس کو چھوئیں جو بُری لگے اُسے دھکیل دیں ٭

ہاتھوں کی یہ قوت فقط اپنا ہی کام نہیں کرتی بلکہ اگر کوئی اور حواس انسان کا جاتا

رہے تو اُس کا کام کرنے کو موجود ہوتی ہی۔ اندھوں کو دیکھو کہ اُن کی آنکھیں ہاتھ ہی

ہوتی ہیں وہی لاٹھی پکڑ کر اُن کو ٹیڑھے بیڑھے رستوں میں چلاتے ہیں انھیں سے

ٹٹول کر وہ اپنے عزیزوں کے چہرہ کو دیکھتے ہیں ٭ یہ ہاتھ ہی اُن کی کتابوں کے پڑھنے

لئے آنکھیں بن جاتی ہیں وہ پڑھنے سے گھنٹوں اپنا دل بہلایا کرتے ہیں (یورپ

میں اندھوں کے پڑھنے کی کتابوں میں اُبھرے اور اُٹھے ہوئے حروف ہوتے

ہیں جن پر اندھے اُنگلی پھیر کر پڑھتے ہیں ٭) جن گونگے بہروں کی زبان کچھ

بول نہیں سکتی اور کان سُن نہیں سکتے اُن کے لئے بھی ہی ہاتھ زبان اور کان

بن جاتے ہیں تم نے دیکھا ہوگا کہ وہ خود ہاتھوں کے اشاروں سے باتیں کرتے ہیں اور اور لوگوں کے

ہاتھوں کے اشاروں سے باتیں سمجھتے ہیں ٭ اور حواس خواہ کتنے ہی کامل اور قوی ہوں

مگر یہ ہاتھ ان کی تائید اور تقویت کرتے ہیں ٭ انھوں نے آنکھ کی دو مختلف طرح

کی نقلیں اُتار کر دوربین اور خردبین بنا دیں ٭ جنھوں نے آنکھوں کو آسمان پر اور

زمین پر ایک اور نیا عالم دکھا دیا۔ دور کی چیزیں جو فاصلہ دراز کے سبب سے اور پاس

کی چیزیں جو چھوٹے ہونے کے سبب سے نظر نہ آتی تھیں وہ اب دکھائی دینے

لگیں ٭ آنکھوں کے لئے یہ سامان تیار کیا۔ اب کانوں کے لئے سامان

اور آلات بنا کر جن سے وہ تعلیم پاتے ہیں، اور اپنی قوت بڑھا کر حظ اُٹھاتے ہیں ناک کے لئے وہ کیسے کیسے خوشبودار پھول توڑتے ہیں اور عطر اور تیل نکالتے ہیں کہ جن سے آدمی کی روح خوش ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہاتھوں کی قوت لامسہ ہے اور بہنوں کی خوب خدمت اور ٹہل کرتی ہے۔ اور اُن کی مشکلوں کو سہل بناتی ہے یہی ہاتھ ہیں کہ جو میدان جنگ میں تلوار چلا کر آدمی کی دلیری کو دکھاتے ہیں یہی ہاتھ ہیں جو محفل میں ساز بجا کر روح کو خوش کرتے ہیں یہی ہاتھ ہیں کہ جو گھوڑے کی لگام پکڑ کر آدمی کے پر لگا دیتے ہیں اور ہرن سے زیادہ اُڑانے لگتے ہیں۔ یہی ہاتھ ہیں کہ جو ہل چلا کے زمین کو سبز بناتے۔ اور جانداروں کا پیٹ پالتے ہیں یہی ہاتھ ہیں جو پنسل سے نقشے اتارتے ہیں۔ قلم کی زبان سے مطلب ادا کرتے ہیں۔ کونسا کام ہے جو ہاتھ نہیں کرتے۔ کونسا کام ہے جو وہ نہیں کر سکتے ہیں۔ دخانی کل کیا ہے کہ ایک بڑا ہاتھ ہے جو کروڑوں ہاتھوں کا کام انھیں ہاتھوں کے بل سے کرتی ہے۔ تار برقی کیا ہے۔ ایک بہت بڑا قلم ہے جو سارے عالم میں دور بیٹھا ہوا انھیں ہاتھوں سے لکھ رہا ہے۔ ریل۔ جہاز۔ اور بڑے بڑے مصنوعات انسانی کو یوں سمجھو کہ قوموں نے اپنے تئیں ایک آدمی بنا کر اپنے زبردست ہاتھوں سے اُنھیں بنایا ہے۔ سارے کام جن سے انسان کو دولت عزت حاصل ہوتی ہے وہ ان ہاتھوں کے اختیار میں ہیں سب سے زیادہ مشکل کام بشر کے لئے یہی ہے کہ وہ ایسے کام کو انتخاب کر کے ہاتھ لگائے کہ جس سے منفعت زیادہ اور مضرت کم ہو۔ اور دونوں جہان میں بھی بھلا ہو۔

ان ہاتھوں کے بعد ہماری آنکھیں ہیں جو ہمارے سُکھ دُکھ کی آئینہ ہیں۔ انھیں کی
بدولت ہمارے دل میں کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں اور وہی ان کو دکھاتی ہیں۔ غضب محبت۔
حقارت۔ شوخی حیا۔ ان سب کو ہماری آنکھوں کی نگاہیں اور چتونیں بتلاتی ہیں۔
آنکھیں دکھانا۔ آنکھیں لگانا۔ آنکھ اُٹھانا۔ آنکھیں نیچی کرنا۔ اونچی نہ اٹھانا۔ آنکھ چُرانا
چشم نمائی اور چشم پوشی کرنا۔ کیا ہیں ہمارے دل کی حالتوں اور کیفیتوں کی آئینہ!
ہونٹوں سے مسکرانا۔ پیشانی میں تیوری کا بل ڈالنا۔ آواز سے واویلا مچانا کیا ہیں؟
انھیں دیدوں کے کام ہیں۔ اور جانوروں کی آنکھیں بھی اپنی جُدا جُدا صفت
رکھتی ہیں۔ مگر انسان کی آنکھوں کی خوبیوں کو نہیں پہنچتیں گو ہم ایک ایک صفت میں
اپنی آنکھوں کو اور جانوروں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ کسی کو آہو چشم (مرگ نینا) کسی کو
گربہ چشم کسی کو گاؤ دیدہ کسی کو شیر چشم کہتے ہیں۔ شاعروں نے تو ان آنکھوں
کے انتہی جھگڑے ہیں کبھی وہ اس کو ساغر مے بنا کر دیکھنے والوں کو مست
کرتے ہیں۔ کہیں چشم بد دور آنکھیں موتی چور کہتے ہیں۔ ہمارے گھروں میں جاہلوں کو
اور ہی وہم میں ان آنکھوں نے پھنسا رکھا ہے۔ انھوں نے آنکھوں کو اختیار دے رکھا
ہے کہ وہ اپنی نظر سے جس کا چاہیں بُرا کریں۔ سیکڑوں ٹوٹکے اور علاج۔ تعویذ
اور دعائیں اس سے بچنے کے لئے موجود ہیں۔ ان باتوں کے لکھنے کے لئے ایک دفتر چاہئے
انھیں کون لکھ کر اپنا وقت ضائع کرے۔ اب تم آنکھ کی بناوٹ کو دیکھو کہ خدا نے
رقبہ دو جُڑی ہوئی کمانوں میں رکھا ہے۔ اس کے اندر ایک حلقہ ہے اور اس میں

ایک کھڑکی ہے۔ کھڑکی کے سامنے جھالردار پردہ پڑا ہوا ہے۔ وہ کبھی اس پر پڑ جاتا ہے کبھی اُٹھ جاتا ہے۔ گرد و غبار سے بچاتا ہے۔ میلا کچیلا نہیں ہونے دیتا۔

اِن کے سوا جن چیزوں نے انسان کو فرماں روا اور سب جاندار اور بے جان اشیا کو اس کا خدمت گزار اور فرماں بردار بنایا ہے۔ وہ دو قوتیں عقل اور نطق ہیں۔ حیوانوں میں بھی عقل ہوتی ہے۔ جس کو ہم عقل حیوانی کہتے ہیں۔ مگر عقل انسانی اور عقل حیوانی میں رات دن کا فرق ہے۔ حیوانوں کی عقل میں افزائش کی قابلیت نہیں۔ شہد کی مکھیوں نے جس دانائی سے اپنی پہلی نسل میں خوبصورت چھتا بنایا تھا۔ ویسا ہی ہمیشہ وہ بناتی چلی آتی ہیں اور بناتی چلی جائیں گی۔ اِس میں بال برابر فرق نہ آئے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ حیوانات میں عقل حیوانی ایک ہی نسل میں اپنے درجۂ اعلیٰ پر پہنچ کر آگے نہیں بڑھتی۔ برخلاف عقل انسانی کے کہ وہ پیڑھی در پیڑھی ترقی کی سیڑھی پر چڑھتی چلی جاتی ہے۔ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے وہ منصوبے باندھتی ہے۔ اور اسباب مہیا کرتی ہے۔ دوسری قوت ناطقہ ہے۔ گو سب جانور بولتے ہیں۔ گھوڑا ہنہناتا ہے۔ اونٹ بڑبڑاتا ہے۔ گدھا ڈھینچوں کرتا ہے۔ کتا بھوں بھوں۔ بلّی میاؤں میاؤں۔ مرغی کُڑکُڑوں کوں۔ مگر یہ سب آوازیں ہیں۔ نطق وہی ہے جو انسان میں ہے۔ اِس قوت کے طفیل سے پہلوں کے تجربے اور خیالات پچھلوں تک پہنچتے ہیں۔ جانور اس نعمت سے محروم ہیں۔ اُن میں یہ قابلیت نہیں کہ وہ اپنے خیالات اپنی اولاد کو پہنچائیں۔ وہ انسانوں کی طرح آپس میں باتیں نہیں کر سکتے۔

اپنے خیالات دوسرے کو نہیں بتلا سکتے ہیں اس نطق ہی کے سبب لکھنے کا ہنر پیدا ہوا جس نے زبان کو کانوں سے لے کر آنکھوں کو دکھا دیا۔ اور اس کو پتھر کی لکیر بنا دیا۔ اس لکھنے ہی کے سبب سے ہم ان لوگوں سے باتیں زبان قلم سے کر سکتے ہیں جو ہم سے دور بیٹھے ہیں ان عاقلوں کی نصیحتیں اور قول سنتے ہیں جن کی وفات پر ایک زمانہ گذر گیا۔

اشعار ناسخ

دل انساں میں جو گذرتا ہے
تو زبانی بیان کرتا ہے

ہوتے ہیں جو نتائج افکار
اُن کو کرتے ہیں نطق سے اظہار

اور ما فی الضمیر لوگوں کا
جان لیتے ہیں نطق سے شنوا

قوت ناطقہ نہ ہوتی اگر
ہوتے مانند جانور کے بشر

اپنے دل کی نہ کوئی کہہ سکتا
یا وہ مانند جانور بکتا

کہنے میں دل کا حال گھبراتے
مثل حیوان تمام چلاتے

نہ سمجھتا کسی کے دل کی کوئی
خوب نعمت عطا سخن کی ہوئی

خلاصہ یہ ہے کہ نطق اور عقل نے انسان کو دنیا میں سب سے بڑا بنا دیا ہے۔

جسم انسانی

خدا تعالیٰ نے روح کے رہنے کے واسطے جسم انسان بنایا ہی نری ہڈیوں کا پنجر بنایا ہے۔ اس پر گوشت کے عضلوں کو چڑھایا۔ پھر ان پر چربی اور چربی پر کھال بنائی کھال ساری جسم کی پوشش ہے۔ اسی کے رنگ پر ہمارا رنگ گورا۔ کالا۔ سانولا کہلاتا ہے۔ ہڈیاں

جوڑ ہیں پر عضلاوں اور پٹھوں اور نسوں سے کسی ہوئی ہیں اس نظم سے تمام مصلحتیں اعضا انسانی کی سمجھ میں آئیں گی ۔ **اشعار** ۔ ناسخ

کی خدا نے جو یہ زبان عطا — ہے بلا شک عطیۂ عظمیٰ
اس سے ہی مختلف مزوں کی تمیز — اس سے پاتے ہیں لذت ہر چیز
کوئی کڑوی ہے کوئی ہے میٹھی — نمکیں کوئی کوئی کھٹ مٹھی
کوئی اچھی ہے کوئی زشت زبوں — مزے سب چیزوں کے ہیں گوناگوں
سب مزوں سے زبان واقف ہے — انھیں اسرار کی یہ کاشف ہے
جو نہ ہو یہ تو کچھ نہ ہو معلوم — نہ ہو کوئی مزہ کبھی مفہوم
اور بھی ہوتے ہیں زبان سے کام — ہے ممد وقت بلع آب وطعام
اس سے احکام بہر دنداں ہے — قوّت تام بہر دندان ہے
ہونٹھوں سے کھینچ لیتے ہیں پانی — زندگی تازہ کرتے ہیں اپنی
کہ نہ ہو بند حلق میں پانی — پہنچے وہ معدہ تک بآسانی
صدمۂ آب سے نہ ہو مجروح — نہ بدن پائے کوئی رنج نہ روح
منہ ہے اور دونوں ہونٹھ ہیں دو پٹ — بند ہوتے ہیں کھلتے ہیں جھٹ پٹ
عضو انساں جو ہیں وہ ہیں اوزار — ہے یہ اک مثل تیشۂ نجّار
کبھی لکڑی کے کام آتا ہے — کبھی مٹی کے کام آتا ہے
کیا عبث آدمی کو دانت ملے — ہے عیاں حکمت خدا اس سے

کتنے ہیں تیز بہرِ قطعِ طعام ‎ ‎ ریزہ ریزہ ہو تا طعام تمام
کتنے چپٹے بنے چبانے کو ‎ ‎ صورتِ آسیا ہیں دانے کو
جو غذا اُوڑتے ہیں آگے ہیں ‎ ‎ جو چباتے ہیں اُس کے پیچھے ہیں
گر ہوا اوّل شکست دانے کی ‎ ‎ نوبت آجائے پھر چبانے کی
دیکھیے تو اپنے مغزِ سر کو اگر ‎ ‎ ہو عجب حال منکشف تجھ پر
کتنی ہی جھلیوں میں لپٹا ہے ‎ ‎ صدموں سے امن میں وہ رہتا ہے
نہیں کرسکتے عارضے مختل ‎ ‎ نہیں ہو سکتا ہلنے سے بھی خلل
خود سے کم نہیں ہے کاسۂ سر ‎ ‎ صدمہ پہنچے اگر کوئی سر پر
متضرر نہ ہو دماغ کبھی ‎ ‎ گل نہ ہو عقل کا چراغ کبھی
بال اس سر پہ جو ہوتے ہیں پیدا ‎ ‎ سر کو وہ پوستین ہے گویا
تا نہ پہنچائے رنج اُسے سردی ‎ ‎ رنج گرمی سے بھی نہ پائے کبھی
بارشِ برف میں اگر ہیں حجاب ‎ ‎ دھوپ میں بھی یہ ہو سر میں حجاب
اے مغفل تو دیکھ رحمتِ رب ‎ ‎ پلکِ چشم پر خیال کر اب
مثلِ پردہ خدا نے لٹکایا ‎ ‎ رسن و حلقہ سے اُسے باندھا
رسن و حلقہ ہے یہ کس کا نام ‎ ‎ شفر رکھا ہے سب نے جس کا نام
چاہیں جس دم یہ پردے لٹکا دیں ‎ ‎ چاہیں جب ہم اُٹھائیں اک پل میں
دیدۂ مردم ایک غار میں ہے ‎ ‎ مژہ و پردہ سے حصار میں ہے

ہے جو بیچ و در میانۂ گوش	کیا ہی حکمت ہے اس میں ای باہوش
پردۂ گوش تک نہ پہنچے صدا	نہ ہو آسیب صدمہ ہائے ہوا
نہ ہوں تا پردہ ہائے گوش جریح	رہیں سالم ہمیشہ اور صحیح

یہ خدا کی بڑی حکمت ہے کہ جو اعضا جفت ہونے چاہئیں تھے وہ جفت ہیں اور جو طاق ہونے چاہئیں تھے وہ طاق ہیں سر ایک ہے اگر وہ دو ہوتے تو گردن پر بوجھ ہوتا۔ اگر دونوں میں ایک ہی حواس ہوتے اور ایک ہی بات سوچتے تو دوسرے سر کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ اگر اُن میں اختلاف ہوتا تو پھر کسی کام کا کرنا دشوار ہوتا۔ ایک سر کہتا کر۔ دوسرا کہتا نہ کر ہاتھ پاؤں جفت ہیں اگر وہ طاق ہوتے تو کیسے کام چلتا +

شیخ امام بخش ناسخ

جفت پیدا کئے ہیں دستِ بشر	تا ہو دونوں سے بندوبست بشر
کہ اگر ایک ہاتھ شل ہو جائے	کارِ انساں میں پھر خلل ہو جائے
جتنے بنا ہیں اور ہیں نجار	نہ ہو کام ایک ہاتھ سے زنہار
جو تکلف سے بھی کرے کوئی کام	سو بڑی دیر میں وہ کام تمام
شاق ہر کام ہر کسی پر ہو	دونوں ہاتھوں کے کب برابر ہو

رانوں پر گوشت اس لئے ہے +

تا نہ ہو بیٹھنا کبھی دشوار	تا نہ دے سختی زمیں آزار
کوئی بیمار جب ہو لاغر	نرم جب تک بچھا نہ ہو بستر
پہنچے اس کو زمین سخت سے رنج	پائے پتھر سے رنج سخت سے رنج

سینہ کے اندر دل ہے۔ اس سے سارے بدن کی بوٹی بوٹی میں رگوں کے ذریعہ سے خون جاتا ہے۔ پھر اور رگوں میں ہو کر دل ہی میں آ جاتا ہے +

مکڑی

مکڑیاں سیکڑوں قسم کی ہوتی ہیں وہ نرالے نرالے کام کرتی ہیں کوئی جلاہے کا کوئی معمار کا۔ کوئی خیمہ دوز کا۔ کوئی بڑھئی کا۔ ان کے رہنے کے ٹھکانے بھی بہت ہیں۔ بادشاہی محلوں کی چھتوں میں بادشاہوں کے سروں پر اُن کے مکان ہیں۔ غریبوں کے جھونپڑوں کے کونے کھدرے میں اُن کے گھر ہیں۔ باغوں میں چھوٹے بڑے درختوں کے پتوں کے درمیان کھیتوں اور گھاسوں میں اُن کا جالا تنا ہوا ہے۔ جن پر صبح کو اوس کی بوندیاں موتی سی چمکتی ہوئی نظر آتی ہیں کہیں کہیں تالابوں اور خندقوں میں بھی وہ اپنے مکان کے اندر چین سے بیٹھی ہیں اس کے اندر ہوا بھر کے تالاب کی تہ پر کے سبز پتوں کو اپنے ریشم کے سے تاروں سے اس پر باندھ دیا ہے۔ یوں پانی کے اندر اپنے تئیں پانی سے بچا کر خشک کر رکھا ہے + مناروں کی بلندیوں پر اُن کا پھریرا اُڑ رہا ہے۔ زمیں کے تہ خانوں میں ان کے گھروں کا دروازہ اپنا جال بچھائے بیٹھا ہے +

مکڑی کے جسم کا پچھلا حصہ گول تھیلی سی ہوتی ہے۔ وہ آگے کے حصے سے بڑا ہوتا ہے۔ اِن کی آٹھ ٹانگیں بدن سے کچھ ایسی ہی سی جڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ اگر کوئی اِن میں سے ٹوٹ جائے تو پھر اور ٹانگ اُس کی جگہ نکل آتی ہے۔ یہ سن کر اُن لوگوں کو بڑا رشک ہوگا۔ جن کی ریل پر ٹانگیں ٹوٹی ہیں۔

اکثر کی آنکھیں آٹھ اور بعض کی چھ ہوتی ہیں سب سنتی ہیں مگر کانوں کا پتا اب تک نہیں لگا
وہ کہاں ہیں جن سے سنتے ہیں۔ اُن کے پیٹ میں تھیلیاں ہوتی ہیں اُس کے اندر ایک
لیس دار لعاب ہوتا ہے۔ وہ جسم کے پچھلے حصے میں ایک سوراخ سے نکلتا ہے۔ اور ہوا میں
نکل کر سخت ہو جاتا ہے۔ اور اس کا تار بندھ جاتا ہے۔ وہ ان کو اپنی پچھلی ٹانگوں سے بٹ
کر مضبوط کر لیتی ہیں۔ بعض مکڑیوں کے تار ایسے پتلے ہوتے ہیں کہ اگر ایک ہزار کو ملائیں
تو وہ بال کے برابر موٹے ہوں۔ بعض مکڑیاں ایسا جالا مضبوط بناتی ہیں کہ
اُن میں چھوٹے پرند پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ اور ہر ایک تار میں مکڑی سے کئی گنا زیادہ
بوجھ لٹک سکتا ہے۔ اکثر مکڑی دو پاس پاس کی دیواروں یا درختوں کے
درمیان یوں جالا بناتی ہے۔ کہ وہ پہلے ایک جگہ اپنے لعاب کو ڈالتی ہے۔ اور
اس سے اپنے تار کو چمٹاتی ہے۔ اور اسی تار پر نیچے لٹک جاتی ہے اور وہاں
چلی جاتی ہے جہاں اُس کو دوسرا سرا تار کا چپکانا منظور ہوتا ہے۔ یوں ایک الگنی
سی تان دیتی ہے۔ پھر اس پر کبھی ادھر جاتی ہے کبھی اُدھر آتی ہے۔ یوں تانا بانا
بن کر اپنا جالا بنا لیتی ہے جس میں بہت سی اقلیدس کی شکلیں نظر آتی ہیں۔ بعض دفعہ
ہلکی پھلکی لکڑی کے ٹکڑے جالے میں لٹکا دیتی ہے۔ کہ وہ ہوا کے جھونکوں سے اُڑ نہ جائے یا
ٹوٹ نہ جائے۔ تمام جالے پر چھوٹی چھوٹی گولیاں لیس دار مثل گوند یا سریش کے
لگی ہوتی ہیں اور وہ ایسی باریک ہوتی ہیں کہ ہم کو نظر نہیں آتیں۔ مکڑی کے
سر پر ڈنک آنکڑے دار ہوتے ہیں جب وہ کسی سے لڑتی ہیں تو ان کو نکالتی ہیں

بلی کے پنجوں کی طرح دبا رہتی ہیں۔ ڈنکوں کے سروں پر بہت باریک سوراخ ہوتا ہے۔ اُس سوراخ میں سے ایک زہر کی بوند جب چاہتی ہے وہ نکال لیتی ہے۔ اور جس کو ڈنک مارتی ہے اُس کے زخم میں اُسے چھوڑ دیتی ہے۔ جالے کی بدولت مکڑی کو خوراک ملتی ہے۔ وہ صبر سے تاک لگائے بیٹھی رہتی ہے جب کوئی ننھی سی مکھی یا کوئی اور کیڑا مکوڑا آن پھنسا تو وہ اپنے پتلے پتلے تاروں پر دوڑتی ہے۔ اپنا ڈنک اُس پر مار کر چلی جاتی ہے یوں چند لمحوں میں اس زہر کے اثر سے شکار ادھ موا ہو جاتا ہے اگر کوئی مکھی ایسی بڑی آن پھنسی کہ اُس کے زور سے جالے کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ تو وہ اُس کے پاس کے تار کو توڑ دیتی ہے۔ کہ وہ جلد نکل جائے۔ اور یہ بلا سر سے ٹل جائے لیکن اگر کوئی اور مکھی یا شہد کی مکھی اڑتے اڑتے اُس کے جالے میں ایسی آ پھنسی کہ وہ اپنے زور سے جالے کے تاروں کو جو ربڑ کی طرح پھیل سکتے ہیں نہیں توڑ سکتی۔ تو وہ کود کر اُس کے گرد اور تھوڑا سا جالا تن دیتی ہے۔ یہ تار مکھی کو چمٹ کر ایسا جکڑ دیتے ہیں کہ نکلنے نہیں دیتے۔ پھر خود وہ چلی جاتی ہے یہ مکھی تڑپ تڑپ کر تھک جاتی ہے تو مکڑی پھر جا کر اسے ڈنک مارتی ہے جس کے زہر سے، وہ تھوڑی دیر میں مر جاتی ہے +

اشعار ناسخ

کود کر مکڑی نے مکھی لی پکڑ	اور جالے سے دیا اُس کو جکڑ
پھن پھنائی وہ بہت ہو بے قرار	پر نہ چھوٹی اس بلا سے زینہار

گرم ملکوں میں رستوں کے درختوں پر یہ جالے تنے ہوئے ہوتے ہیں۔ جو

چلنے والے کو نظر نہیں آسکتے۔ وہ اُس کے سر سے ٹوٹتے چلے جاتے ہیں۔ آدمی تو ہیلون میں بیٹھ کر ہوا میں اُڑتے ہیں۔ مکڑیاں اپنے ہی جالے کے تاروں میں ہوا میں اُڑتی ہیں۔ بعض مکڑیاں ایسی بڑی ہوتی ہیں کہ وہ تمھاری کتاب کے ایک صفحہ پر بیٹھیں تو اُن کے پاؤں باہر نکل جائیں۔ بعض کی ٹانگیں ایسی لمبی ہوتی ہیں کہ وہ اُن میں سے بعض پرندوں کو پکڑ کر اور اپنے ڈنک مار کر شکار کر لیتی ہیں۔ بعض مکڑیاں جالا بنا کر شکار نہیں کرتیں بلکہ جب وہ کسی مکھی کو دیکھتی ہیں تو اُس کے قریب جا بیٹھتی ہیں تھوڑی دیر وہ زمین سے چمٹ کر مُردہ کی صورت بن جاتی ہیں پھر شیر کی طرح جست لگا کے اُس کو پکڑ لیتی ہیں۔ جب مکڑی کو کوئی خوف ہوتا ہے تو وہ اپنی ٹانگوں کو بدن سے لپیٹ کر مُردہ کی صورت بن جاتی ہیں اگر اِس کو چھری سے چھیڑو تو یہ معلوم ہوگا کہ وہ بے دم ہے مگر اُسے یوں چھوڑ دو تو وہ پھر اپنی ٹانگیں کھول کر چلی جائے گی۔ لوگوں نے بہت کوشش کی کہ ریشم کے تاروں کی طرح اُس کے جالے کے تاروں کا بھی کپڑا بنائیں مگر اب تک اِس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ مگر اُن مکڑیوں کی عادتوں کو دیکھ کر تم صبر و استقلال سیکھو۔ دیکھو وہ کس چالاکی اور چستی سے اپنے کاموں کو درست کرتی ہیں سوا جاڑے کے موسم کے وہ اپنی خوراک کے حاصل کرنے میں اور اپنے بال بچوں کی نگرانی اور پرورش میں سرگرم رہتی ہیں۔ وہ انڈے دیتی ہیں اِن انڈوں کو اپنے ساتھ بھی لے جاتی ہیں اُن کی حفاظت میں اپنی ٹانگوں کے ٹوٹ جانے کی پرواہ نہیں کرتیں۔ اِس کی عقلمندی کی ایک حکایت سنو۔ کہ پانی کے اندر

شکر ہے فیض عام تیرا — پیشانی دھر سپہر لکھا

گلشن کو دیا جمال تو نے — کھیتی کو کیا نہال تو نے

طاؤس کو ناچنا سکھایا — کوئل کو الاپنا سکھایا

جب مور ہے ناچنے پہ آتا — آپے سے ہے اپنے گذر جاتا

کوئل کو نہیں قرار اک پل — ایسی کوئی تو نے کوک دی کل

شب بھر میں ہوا آسمان گرگوں — کیا پڑھ دیا آ کے تو نے افسوں

سوئی تو اساڑھ کا عمل تھا — اٹھی تو سماں ہے ماہ کا سا

لاہور میں شب ہوئی تھی لیکن — کشمیر میں پہنچی جب ہوا دن

امرت سا ہوا میں بھر دیا کچھ — اک رات میں کچھ سے کر دیا کچھ

دریا تجھ بن پیاسے رہے تھے — اور بن تیرے راہ تک رہے تھے

دریاؤں میں تو نے ڈال دی جان — اور تجھ سے بنوں کو لگ گئی شان

جن جھیلوں میں کل تھی خاک اڑتی — ملتی نہیں آج تھاہ اُن کی

جو والے تھے خاک میں پریشان — سب کے چڑھائے تو نے پروان

دولت جو زمیں میں تھی چھپی — آگے ترے اُس نے سب اگل دی

پٹ گئے تجھ سے ڈلاؤ سب زمیں پہ — وہاں سبزہ و گل ہیں جلوہ گستر

جن ٹیلوں کو کل تھے [illegible] — باتیں ہیں وہ آسمان سے کرتے

جن باغوں پر اڑتے تھے بگولے — وہاں سیکڑوں پڑے ہیں جھولے

تھے ریت کے جس زمین پہ انبار ہے بیر بہٹیوں سے گلنار

امرائیوں پہ آ رہا ہے جوبن اور باغوں میں اُڑ رہے ہیں گلشن

اک باغ میں جمع ہیں کچھ احباب موجود ہیں سب خوشی کے اسباب

ناندیں کئی بیچ میں دھری ہیں ہر قسم کے آم سے بھری ہیں

سب اپنے کپڑے ہیں اُتارے باندھے ہوئے لنگیاں ہیں سارے

سرکا کے منہ سے اٹھا رہے ہیں بیٹھے ہوئے آم کھا رہے ہیں

باہر کی ہے فکر اور نہ گھر کی باتیں ہیں اِدھر کی اور اُدھر کی

اتنے میں کسی نے دل لگی سے کچھ چھیڑ کی بات کی کسی سے

باہم لگے مسکرانے سارے ہونے لگے آنکھوں کے اشارے

جو چلبلے تھے وہ تلملائے جو بزدلے تھے وہ کسمسائے

اکھڑا اتنے میں ایک کی جو چسکی منہ پر پڑی آکے چھینٹ رس کی

رس نے بھی اک آم پلپلا کر پچکاری سی چھوڑ دی دبا کر

پھر تو لگے چلنے وار پر وار اور رس کی نکلنے دھار پر دھار

چھلکا ہے کسی کے منہ پہ پڑتا گٹھلی ہے کسی کے کوئی جڑتا

چھلکا نہ رہا جب ایک باقی ڈھونڈی نہ ملی کسی کو گٹھلی

کیچڑ ہی سے دل لگے بہلنے باٹیں لگیں دو طرف سے چلنے

فہرست مضامین